PK
2185
S234
1910

ادب و علم کے بیش بہا جواہر ریزے

مضامینِ شررؔ

مولینائے محمد عبدالحلیم شررؔ لکھنوی مرحوم کی مستقل تصانیف متعدد مرتبہ شائع ہو کر ملک میں پھیل چکی ہیں لیکن اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ ان کے تمام متفرق
ادبی۔ علمی و اصلاحی مضامین کو بھی ایک مجموعے کی صورت میں شائع کیا جاتا۔ سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل مستحق مبارکباد ہیں کہ انکی مبارک کوشش اور مبارک
یہ اہم علمی کام سرانجام پا گیا ہے یعنی سلطانِ علم و ادب کے تمام مضامین نہایت عمدہ ترتیب و تدوین کیساتھ تیرہ جلدوں میں چھپ گئے ہیں اور "شررؔ" کے گوہر افشاں نامے کی یہ ندرت کار
ہمیشہ کے لئے دستبرد روزگار سے محفوظ ہو گئی ہیں۔ سید مبارک علی شاہ صاحب کا یہ کام ہماری نظروں میں بڑا ہی قابل قدر ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ادب و علم کا ہر سچا خادم اس باب میں
ہم نوائی کریگا۔ یہ نادر مجموعہ کم و بیش چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اور جامعیت کا یہ عالم ہے کہ اس میں مولینائے مرحوم کے تمام مضامین جو زیادہ تر ان کے مشہور رسالہ "دلگداز" میں چھپے
بعض دوسرے رسائل و جرائد میں شائع ہوئے اس سلکِ جواہر میں منسلک ہو گئے ہیں مضامین کو باعتبار نوعیت کے کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کی تفصیل معہ قیمت درج ذیل ہے

جلد اول شاعرانہ و عاشقانہ مضامین۔ یہ جلد تین حصوں پر مشتمل ہے تینوں حصوں کی قیمت علی الترتیب ۱۲؍۔ ۱۲؍ اور ۱۲؍ ہے۔

جلد دوم تاریخی اور جغرافیائی مضامین۔ یہ جلد بھی تین حصوں میں ہے۔ قیمت حصہ اول ۱۲؍۔ حصہ دوم ۱۲؍ حصہ سوم مشرقی تمدن کا آخری نمونہ
یہ حصہ درحقیقت لکھنؤ کی گذشتہ کیفیت کا ایک نہایت عمدہ مرقع ہے جس میں عہد شاہی کے تاریخی واقعات اور معاشرت کی تصویر کچھ اس خوبی اور جامعیت کے ساتھ کھینچی گئی ہے کہ یہ
کتاب لکھنؤ کی گذشتہ حالت کو پورے طور پر آشکار کر دینے کے لئے بالکل کافی و وافی ہے اس کی ضخامت ۲۵۲ صفحہ ہے اور قیمت ۱۲؍ ہے۔

جلد سوم سیر و سوانح۔ اس جلد میں نامور مردوں اور نامور عورتوں کے سوانح حیات درج ہیں اور یہ تین حصوں پر مشتمل ہے پہلی جلد صرف نامور مردوں کے سوانح
کے لئے وقف ہے اسکی ضخامت ۵۳۶ صفحے ہے اور قیمت ؁ ہے۔ بقیہ دو حصوں میں نامور عورتوں کی سیریں درج ہیں ان میں سے پہلی جلد کی قیمت ۱۲؍۔ دوسری جلد کی ۱۲؍۔

جلد چہارم ادب و تحقیق مسائل۔ اس جلد میں محققانہ ادبی و علمی مضامین ہیں۔ قیمت ۱۲؍۔

جلد پنجم اصلاحِ قوم و ملت۔ اس جلد میں مولینائے مرحوم کے وہ تمام مضامین یکجا کر دیئے گئے ہیں جو قوم اور ملت کی اصلاح کے لئے لکھے گئے۔ قیمت ۱۲؍۔

جلد ششم تاریخی واقعات پر خیال آرائی۔ قیمت ۱۲؍۔

جلد ہفتم نظم و ڈراما۔ نظم اور ڈراما کے علاوہ بعض دوسرے مضامین بھی جمع ہیں۔ قیمت ۱۲؍۔

یہ مضامین شررؔ کے اس نادر مجموعے کی مجمل سی کیفیت ہے۔ مولینا مرحوم کی شانِ تحقیق نیز سادہ سلیس اور دل آویز اندازِ تحریر کی خوبیاں واضح کرنا محض تحصیلِ حاصل ہے
ہر اردو خواں فرد اور علی الخصوص ہر اردو دان مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس مجموعۂ مضامین کو خریدے اور اس کے مطالعہ سے کسب فیض کرے۔ چار ہزار صفحات کا یہ بدیع
پورے کا پورا زیادہ سے زیادہ چوبیس روپیہ میں مل سکتا ہے۔ اور مولینا شررؔ ایسے ہر دلعزیز اور بلند پایہ مصنف کے تمام علمی و ادبی مضامین کے لئے چوبیس پچیس روپے
قلیل و حقیر رقم قطعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

آخر میں ہم پھر سید مبارک علی شاہ صاحب گیلانی کی اس بیش بہا ادبی خدمت کی تہِ دل سے داد دیتے ہیں جن کے اہتمام اور شوقِ علم و اشاعتِ علم نے
کے سب سے ہر دلعزیز اور مقبول عوام و خواص مصنف کے منتشر و متفرق مضامین اور کم و بیش پنجاہ سالہ بیش بہا علمی محنتوں کو ہمیشہ کے لئے دستبرد روزگار سے بچا لیا۔ خدا
کہ ملک علمی حیثیت سے سید صاحب کی اس مبارک علمی کوشش کا خیر مقدم کرے۔

ملنے کا پتہ

گیلانی الیکٹرک پریس بک ڈپو ہسپتال روڈ لاہور

اصلاح الاصلاح ﴿ خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی نے ایک کتاب بنام اصلاح زبان اردو لکھی ہے جس میں زبان اردو کے متروک الفاظ اور صحیح غیر فصیح محاورات کی تنقید کی ہے۔ اس کی اصلاح یہ کتاب ہے۔ جسے ایک محقق لکھنوی نے لکھا ہے۔ پھر ان دونوں کتابوں پر محترم بزرگ مولوی عبدالرحیم صاحب لکھنوی کی رائے ہے جو قابل دید ہے۔ قیمت صرف دس آنہ ... (۱۰/)

نکات لطف نومی حصہ اول و دوم ﴿ مشہور ظریف انشاپرداز حضرت ملا رموزی موجد گلابی اردو کے ان دلچسپ اور مفید مضامین کا مجموعہ ہے جو دنیائے ادب اردو سے کافی سے زیادہ خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں اور جن پر ملک کے موقر اخبارات و رسائل علمائے کرام صوفیائے عظام اور ممتاز لیڈروں نے یکساں طور پر نہایت پر زور الفاظ میں نہایت وقیع رایوں کا اظہار کیا ہے۔ ملّا صاحب پر اہم قومی و ملکی حادثہ اپنا اثر کرتا ہے اور وہ اس سے متاثر ہو کر ایسے انداز میں تنقید کرتے ہیں جو سبق آموز بھی ہوتی ہے اور جس میں ظرافت کی چاشنی بھی برقرار رہتی ہے۔ مضمون کی ایک ایک سطر دل کو فرحت اور دماغ کو روشنی بخشتی ہے۔ یہ وہ جواہر ریزے ہیں جن کو اردو ادب کے جوہری سر آنکھوں پر اٹھاتے ہیں۔ آپ بھی ان کی قدر کیجئے۔ منگوایئے پڑھئے اور لطف اٹھایئے۔ قیمت حصہ اول عہ/ حصہ دوم ۸/ عہ/

ہمجولی ﴿ مشہور انشاپرداز خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کے قلم سے بیس دلچسپ افسانے ہیں۔ جس کا ہر ایک افسانہ نتیجہ خیز جن سے عورتوں کو خانہ داری اور تربیت کے ضروری اصولوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی زبان اردو کے محاورے اور ہندوستان کے طرز تمدن سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ قیمت حصہ اول عہ/ دوم عہ/

مختصر تاریخ اسلامی ﴿ آج تک بہت سی تاریخیں لکھی گئی ہیں مگر افسوس ان تاریخوں سے ہمارے بچے اس لئے مستفید نہ ہو سکے کہ ان کی عبارتیں دقیق اور الفاظ مشکل تھے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسی آسان عام فہم تاریخ لکھی جائے جس سے بچے بھی فائدہ اٹھا سکیں لہذا ہم نے یہ سلسلہ مختصر تاریخ اسلامی کا شائع کیا ہے۔ جس سے مختصر خاکہ اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ کا مسلمان لڑکوں اور خاص کر لڑکیوں کو معلوم ہو جائے اگر ان کو شوق ہوا تو ان کے لئے یہ کتابیں تاریخ اسلامی کا بنیادی پتھر بن سکیں گی۔ مولانا سید سلیمان صاحب نے اس کتاب کے مفید ہونے کی نسبت معارف میں پسند ورد لکھا ہے۔ قیمت ہر چہار حصہ (۱۲/)

ترجمان آزاد ﴿ کیا ہے؟ مشاہیر شعرائے ہند کے کلام کا انتخاب لاجواب ہے اور وہ بھی مسلم استاد آزاد مرحوم کا کیا ہوا نہایت خوشخط شعر زبرچھپے لکھے ہوئے جلی قلم معلوم ہوتا ہے۔ کہ سفتگرف سے لکھی ہوئی قلمی کتاب سامنے رکھی ہے مولانا کا فوٹو بھی شامل ہے۔ علامہ شرر لکھنوی نے جو اس کتاب کی نسبت تحریر فرمایا ہے وہ ابتدا میں منسلک کر دیا ہے قیمت .... عہ/

ملنے کا پتہ

مینیجر گیلانی الیکٹرک پریس لمیٹڈ ہسپتال روڈ لاہور

نامور مصنفین کی مقبول تصنیفات

سیرت النعمان

مصنفہ علامہ شبلی نعمانی مرحوم۔ جیسی یہ کتاب علامہ مرحوم نے اعلیٰ درجہ کی تصنیف فرمائی ہے اور کروڑوں حنفی مذہب مسلمانوں کو امام اعظم اور ان کے نامور و ممتاز شاگردوں کے حالات اور مسائل سے آگاہ کیا۔ ویسے ہی یہ کتاب مختلف مطابع نے چھاپ کر ایسی ردّی کر دی تھی کہ دیکھ کر دماغ پریشان ہوتا تھا۔ ہم نے اس کی نہایت عرقریزی سے صحت کی اور اس پر حاشیہ بھی تحریر کئے۔ اور دو قسم کے کاغذ پر چھپائی ÷ قیمت قسم اول دو روپے (عہ/) قسم دوم (للعہ/)

مستقبل اسلام

پروفیسر واامبری جو بہت عرصہ تک اسلامی دنیا میں رہا اور سیاسی و مذہبی معلومات سے مستفید ہو کر ایک معرکۃ الآرا تصنیف مغربی تمدن اور مشرقی ممالک شائع کی اس کا مسٹر ظفر عمر صاحب بی اے (علیگ) مولف نیلی چھتری و بہرام کی گرفتاری نے نہایت مقبول ترجمہ فرمایا۔ اور حاشئے بھی لکھے۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ اسلام کی آئندہ حالت مغربی نقطہ نظر سے دیکھنا ہو تو اس کو ملاحظہ فرمایئے آج کل اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے قیمت ..... عہ ۵/

فتح اندلس

تذکرۃ فتح اندلس کتاب نایاب تھی اور حالات قابل مطالعہ تھے اسلئے مسٹر محمد جمیل الرحمن صاحب پروفیسر حیدر آباد دکن نے ترجمہ کر دیا۔ اور اصل متن عربی کو بھی منسلک کر دیا۔ واقعی قابلدید مختصر تاریخ ہے قیمت صرف بارہ آنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (۱۲/)

حسنیہ

عربی صرف و نحو میں اردو کتاب عوامل کی تشریح اور توضیح جو کہ مصنف نے اس کتاب میں فرمائی۔ بڑی بڑی کتابوں میں بھی یکجا نہ پائی جاوے گی ÷ قیمت ... (۱/)

رہنمائے قانون المعروف کمیل کا منشی

وکلا کے لئے نت نئی کتابیں شائع ہوتی ہیں لیکن منشی صاحبان جن کو کم دماغ سوزی نہیں کرنی پڑتی ان کے لئے ایک کتاب بھی نہ ہو کتنی افسوس کی بات ہے۔ یہ کتاب منشی صاحبان کے لئے خصوصاً اور عرائض نویسوں ثالثوں ساہوکاروں وغیرہ وغیرہ کے لئے عموماً مفید ہے اس کتاب میں قانون ہند کو نہایت آسان عام فہم زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ ناظرین منگوائیں اور قانونی الجھاؤں سے مخلصی پائیں ÷ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/

یوسف پاشا

مصنفہ میر ارشد دہلوی عشق و محبت رزم و بزم اور اسلامی جوشش۔ مجاہدین اسلام اور مسیحیوں کی معرکہ آرائیاں۔ نہایت عجیب و غریب نظارے۔ جن میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ ترک ڈاکو نہیں تھے بلکہ در اصل ڈاکو وہ تھے جو اسلامیوں کو ڈاکو بتاتے تھے اس کا ثبوت بھی تاریخی حوالہ سے دیا گیا ہے۔ طرز بیان ایسا دلچسپ کہ بغیر ختم کئے چھوڑنے کو دل نہ چاہے ÷ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ عہ ۸/

سکھیا بھارت المعروف دولتمند ہندوستان

جو ملک ہندوستان کی گذشتہ عظمت اور سابقہ شان و شوکت کا زندہ فوٹو ہے اور ہندو مسلم اتفاق کا

ملنے کا پتہ مینیجر گیلانی الیکٹرک پریس بلڈنگ ہسپتال روڈ لاہور

حضرت محشر لکھنوی

شاہزادہ مرزا منعم بخت سب جج کے مکان مین بجلی کی روشنی لانے کے لیے بجلی کے دو تار باہر لگائے گئے تھے۔ اتفاق کہ تارون مین کسی لڑکے کا کنکوا الجھ گیا۔ اُس نے جب کھینچا تو دونون تار آپس مین لڑ گئے۔ اُن سے جو شعلہ پیدا ہوا وہ ایک چھپر پر گرا اور چھپر جل کر خاک ہو گیا۔ محشر صاحب یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ فی البدیہہ یہ مطلع کہا۔ مطلع

آہ سوزان پہ نگاہ گرم جانان پڑ گئی　　آگ کی بارش ہوئی بجلی سے بجلی لڑ گئی

کسی حسین و نازنین شاہد بازاری کو جس سے حضرت محشر کو روحانی و جسمانی دونون تعلقات تھے۔ ایک دفعہ جب کہ وہ رات بھر کا جاگا ہوا مست خواب ناز تھا محشر صاحب نے جگا دیا اُس کی اُس وقت کے غصہ و خفگی کی تصویر محشر صاحب نے یون کھینچی ہے مطلع

بل ابرو ون پہ اور نگہ پر جفا خفا　　اُٹھا ہے کچی نیند سے کوئی خفا خفا

محشر کے اس مطلع نے ہمین سید آغا حسن ازل لکھنوی کا یہ شعر یاد دلا دیا۔ حضرت ازل نے بھی کس خوبی سے یہ تصویر کھینچی ہے جو ممکن ہے کہ ایسے ہی واقعات سے متعلق ہو فرماتے ہین۔

اُٹھا کر ہاتھ دونون پیس کر دانتون کو فرمایا　　الٰہی ہاتھ ٹوٹین جس نے سوتے سے جگایا ہے

ت

دیکھنے والون کی روح کو فرحت و تازگی حاصل ہوتی تھی۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ تخمیناً تین گھنٹے کھانے پینے۔ شعر و سخن کی صحبت رہی۔ مگر اُس وقت تک ہمارے معزز و ادیب میزبان برابر کھڑے رہے۔ اور رخصت کے وقت ہر شاعر سے ہاتھ ملا کر رخصت کیا۔ اور یہ الفاظ زبان پر تھے کہ آپ کی اس تکلیف فرمائی کا شکریہ۔ اسی نکھری ہوئی صحبت مین حضرت وصل کی ایک غزل کا بہت رنگ ہوا اور نکتہ سنجون نے جی کھول کر داد دی۔ اس بزم سخن مین مشاہیر شعرا مین سائل دہلوی جگر مرادابادی۔ اصغر مین پوری وغیرہ شریک تھے۔ مگر میرے خیال ناقص مین سب سے زیادہ حضرت وصل کی غزل کامیاب رہی جسکا یہ شعر تو قطعی غیر فانی ہے شعر

تیری گلی کا راستہ طرفہ طلسم راز ہے　　دور سے پاس پاس سا پاس ہے دور دور سا

اس طرح کے موجد بھی حضرت وصل ہی ہین۔ کیونکہ میری نظر سے اس طرح مین کسی کی غزل نہین گذری۔

مرزا فخر اللہ بیگ صابر نبیرۂ مرزا سرور مرحوم تلمیذ حضرت امیر مینائی

جناب صابر جب آگرے مین انسپکٹر ڈاکخانہ تھے تو ایک مشاعرے مین بعد ختم مشاعرہ امتحاناً یہ طرح دی گئی۔ خواب دونون۔ شباب دونون۔ اور صرف آدھ گھنٹے کا وقت دیا گیا کہ اس آدہ گھنٹے مین سب شعرا فکر کرکے جتنے شعر کہہ سکتے ہون لکھکر سنائین۔ جتنے شاعر وہان موجود تھے۔ سب نے ہاتھ سے قلم رکھدیئے صرف تین چار حضرات نے چند شعر ٹوٹے پھوٹے نظم کیے۔ مگر صابر صاحب نے تیرہ شعر کی پوری غزل لکھکر سنائی جو سب سے بہتر تھی اور حاضرین نے بہت داد دی۔ اس غزل کے چند شعر ذیل مین درج کیے جاتے ہین۔ اشعار

تمھاری آنکھین تمھارے ابرو ہین ایک کا ایک جواب دونون　　اگر یہ ہین لاجواب دونون تو وہ بھی ہین انتخاب دونون

لکھی ہے فرد عمل جنھون نے اُنھین فرشتون سے پوچھ لے سب　　خدا سے کہدونگا روز محشر ہیں یہ تین حساب دونون

زبان ادھر بند رعب سے ہے ادھر حیا گفتگو کی مانع　　نہ وہ کہین کچھ نہ مین کہون کچھ بنے ہین گونگے کے خواب دونون

تمھاری آنکھون کے سرخ ڈورے ہماری بہکی ہوئی یہ باتین　　بتا رہے ہین جتا رہے ہین پیے ہوے ہین شراب دونون

بنون نہ کیون جانشین مجنون بناؤن کیون نجد مین نہ مین گھر　　ازل مین سب عاشقون مین چھٹ کر ہوے تھے ہم انتخاب دونون

(از سید عبد الباقی ضبط)

اساتذۂ لکھنؤ مولانا صفی۔ حضرت عزیز جناب ظریف و حضرت محشر وغیرہ کی دعوتیں تو اعلےٰ پیمانے پر ہوا کرتی تھیں۔ اور اکثر دعوتوں میں خاکسار مؤلف کو بھی شرکت کا فخر حاصل ہوا۔ شعر وسخن کی صحبتیں ان کے دور کی یادگار زمانہ رہیں گی۔ کبھی کبھی لسان الملک حضرت ریاض و منشی واحد علی ابر مرحوم بھی شریک صحبت رہا کرتے تھے۔

حضرت وصل انجمن معین الادب کے ممبر بھی ہو گئے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ظریف کے دولتکدے پر مسالمہ ہوا طرح یہ تھی۔ گوہر آیا خنجر آیا۔ اس طرح میں نواب فصاحت جنگ حضرت جلیل کا بھی ایک لاجواب سلام ہے جس کا مقطع یہ ہے مقطع

آکے تڑپا گئی یاد شہدا مجھکو جلیل　　　تیغ آئی نہ چھری آئی نہ خنجر آیا

حالانکہ وصل صاحب نے سوا غزل کے اس سے پہلے کبھی کوئی سلام نہیں کہا تھا مگر احباب کے اصرار سے اس طرح میں فکر کی اور جا کر شریک مسالمہ ہوئے جب انکے پڑھنے کی باری آئی۔ مطلع پڑھتے ہی رنگ جم گیا۔ ہر شعر پر خاطر خواہ داد ملنے لگی۔ مگر جس وقت یہ شعر پڑھا۔ سامعین بیخود ہو ہو گئے اور ہر شاعر کی زبان پر سبحان اللہ۔ صلِّ علیٰ کا نعرہ تھا۔ انتہا یہ کہ مسالمہ کا خاتمہ اسی شعر پر ہو گیا شعر ملاحظہ ہو۔ شعر

وقف آفات زمانہ رہی اولاد رسولؐ　　　حادثوں کو بھی پسند آیا تو یہ گھر آیا

شعر کیا ہے خاندان رسالت کی ایک مبسوط تاریخ ہے پھر کیوں نہ مسالمہ کا خاتمہ ہوتا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب آگرہ آیا دین مسلم ہوسٹل کا مشاعرہ مومن کی اس زمین۔ مہمان ہونگے ارمان ہونگے۔ میں ہوا۔ اور خاکسار مؤلف کی غزل اس مشاعرے میں بہت پھولی پھلی خصوصًا مقطع کا وہ اثر پڑا کہ مولوی وحید الدین وحید سنکر اس قدر متاثر ہوئے کہ مرزاپور سے صرف اس مقطع کی داد دینے میرے غریب خانے پر لکھنؤ آئے وہ مقطع یہ تھا مقطع

گھر تو کیا گھر کا نشان بھی نہیں باقی صفدر　　　اب وطن میں کبھی آئینگے تو مہمان ہونگے

اس مشاعرے کے دوسرے روز قدر شناس علم وادب جسٹس شاہ سلیمان نے کل مشاہیر شعرا کو مدعو فرمایا سامعینوں میں شہر کے جلیل القدر رؤسا و حکام ضلع بھی خاص طور پر مدعو کئے گئے تھے۔ نہایت صاف وستھری صحبت تھی۔ سامان دعوت اس معزز میزبان نے اس سلیقہ سے فراہم کیا تھا کہ

شعر وقفِ بہارِ جیب و گریبان و گل نہین ؎ جس دم وہ مسکرا دیے سب چاک ہو گئے

مرزا کاظم حسین صاحب محشر نے ایک مشاعرے مین جو صبح چار بجے ختم ہوا بعد ختم مشاعرہ طرح دی اور کہا کہ آج ہی مشاعرہ ہے۔ رات بھر کے جاگے ہوئے شعرا اور پھر دوسری رات کو جاگنا ہے لہذا وہی قوی الدماغ اور زود گو فی البدیہہ کہنے والے مشتاقانِ سخن شریک ہو سکے جنکو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ یہ مشاعرہ میر انیس صاحب مرحوم کے مکان پر ہوا جناب عارف صاحب بھی موجود تھے۔ عام طور سے سب سے زیادہ اعتراف ناطق صاحب کی غزل کا ہوا جس کا مطلع اور ایک شعر لوگون کی زبان پر رہ گیا **مطلع**

چکر مین چرخ آیا ہے رفتار دیکھکر — رکھیے قدم زمین پہ سرکار دیکھکر
آنکھون کو اشک دل کو جراحت بقدر ظرف — تقسیم کرتی ہے نگہ یار دیکھکر

سید بندہ کاظم صاحب جاوید مرحوم نے ایک مشاعرے کے لیے طرح تجویز کی۔ مگر یہ بھی کہا کہ اس طرح مین توارد بہت ہوگا۔ حکیم صاحب کے انکار توارد پر بعد رد و بدل بالآخر یہ طے ہوا کہ کسی ایک قافیہ مین سب صاحبان اسی وقت کم از کم ایک ایک شعر کہہ لین توارد ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہو جائے گا پندرہ یا بیس منٹ مین دو دو یا تین تین شعر کہے گئے۔ مگر ناطق صاحب نے پوری گیارہ شعر کی غزل کہہ لی۔ اور توارد کسی مین نہوا۔ اُس غزل کے چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہین۔ **اشعار**

چلا ہے اک گریبان چاک وحشی صحنِ گلشن سے — رہین ہشیار کوہ و دشت اپنے اپنے دامن سے
ہمیشہ ساتھ دیسکتا نہین رہبر بھی غربت مین — کہ رہجاتا ہے خون اور اشک چھن جاتا ہے دامن سے
ہے فرق حاکم و محکوم حسن و عشق مین ورنہ — زلیخا کا جگر بھی کم نہ تھا یوسف کے دامن سے
یہ اشیاء اللہ اللہ عشق کی زینت مین اشکون کا — کہ اک سلک گہر ہے منسلک ہر تار دامن سے
غشی مین مجھکو جنبش دی نفس نے تازہ دم ہوکر — ہوا مین پھونک دی اک روح اُسنے اپنے دامن سے
یہی شاید بجھا جاتا ہے شمع تربت ناطق — وہ دیکھو منہ چھپائے جا رہا ہے کوئی دامن سے

حضرت وصل بلگرامی اڈیٹر مرقع

جناب وصل جب لکھنؤ آئے اور رسالہ مرقع کی ابتدا کی تو اُنکے یہان کاملین فن کا اکثر مجمع رہا کرتا تھا خصوصًا

سید عبد الباقی صاحب فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ اُنھون نے یہ فارسی غزل طرح دیکر فی البدیہہ کہلائی

غزل

دردلم رازِ خود آن شوخ رسیدن ندہد　　جلوہ دیدن دہد آواز شنیدن نہ دہد

در سکون وحرکت دخل بس این ست مرا　　درد ساکن نہ شود ضبط تپیدن نہ دہد

تیر در کشمکش حسن ومحبت اُفتاد　　او نخواہد کہ کشد دل بہ کشیدن نہ دہد

شکر این جوشش تاثیر بجا چون آرم　　کہ کسے را سخنم تاب شنیدن نہ دہد

اور اشعار یاد نہین رہے۔

ایک مرتبہ لکھنؤ مین مشہور ہوا کہ خدا نخواستہ حکیم صاحب کا انتقال ہوگیا۔اوس وقت آپ کلکتہ مین تشریف فرما تھے۔سید محمد اسمٰعیلؒ صاحب رسا ہمدانی ایم۔اے۔ایل ایل۔بی بضرورت کلکتہ گئے اور حکیم صاحب سے اس غلط شہرت کا ذکر کیا۔آپ نے فوراً یہ شعر نظم کیا۔**شعر**

ہوگیا مشہور دنیا مین کہ ناطق مرگیا　　ایک لمحے کو جو اُس کی یاد سے غافل ہوا

ذہانت وطباعی ولطیفہ گوئی بھی آپ کا حصہ ہے۔ (لطیفہ)

حیدرآباد کے ایک غیر تعلیم یافتہ اور پرانے لوگون مین سے ایک صاحب کو یہ یقین تھا کہ ہندوستان حیدرآباد کے مضافات مین سے ایک گانون کا نام ہے اور چونکہ وہان سے بہت سے حضرات یہان آچکے ہین۔شاید اب چند آدمی رہ گئے ہون گے۔اس لیے جب حکیم صاحب تشریف لے گئے تو مستفسر ہوئے کہ اب ہندوستان مین کون کون ہے۔آپ نے بیساختگی سے جواب دیا "کوئی نہین مین تھا مین بھی چلا آیا"

کانپور احاطۂ کمال خان مین ایک مسجد تعمیر ہوئی حکیم صاحب سے فرمایش کی گئی آپ نے برجستہ یہ مصرعہ مادّہ تاریخ لکھوا دیا۔"مسجد حق نما شدہ تعمیر"۔اس مصرعہ مین حق نما۔ایک خاص اور ضروری لفظ ہے۔یہ مسجد کسی قدر منحرف تھی۔اور دوبارہ سیدھی کرکے بنوائی گئی تھی۔

سید محمد ہادی صاحب عزیز اور مرزا ثاقب قزلباش صاحب نے غالب کی ایک طرح نکالی اور فی البدیہہ کہنے کی ٹھانی۔ناطق صاحب نے فوراً یہ مطلع کہا۔**مطلع**

دونون جہان کے قصون سے ہم پاک ہوگئے　　اک آہ گرم کھینچ لی اور خاک ہوگئے

اور اس کے بعد ہی یہ دوسرا شعر

ایک شاگرد آئے اور کہنے لگے کہ نواب ظفر جنگ بہادر وزیر جنگ کے عہدے پر ممتاز ہو گئے ہین اور آج ہی مجھے جلسۂ تہنیت مین قصیدہ پڑھنا ہے۔ شاگرد صاحب کو اپریشن کا حال معلوم نہ تھا سید دلاور علی صاحب بہت بگڑے اور ازراہ ہمدردی کہنے لگے کہ وہ بات تو کر نہین سکتے آپ قصیدے کی فرمایش کرنے آئے ہین۔ ناطق صاحب کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ اور اپنے شاگرد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ لکھو وہ لکھتے گئے۔ اور یہ کہتے گئے۔ جتنی دیر مین وہ ایک شعر لکھتے یہ دوسرا شعر لکھ لیتے اسی طرح تھوڑی دیر مین ۴۸ شعر لکھا دیے۔ قصیدے کا مطلع یہ تھا۔ مطلع

حاتم کی سخاوت ہو کہ رستم کی شجاعت موقوف کسی پر نہین رہتی کوئی نعمت

تشبیب اور گریز کے بعد مدح کا یہ مطلع کہا۔ مطلع

نواب ظفر جنگ بہادر کی شجاعت کس طرح بیان کیجیے طاقت ہے نہ جرات

لکھنؤ مین نایاب حسین گوہر تخلص ایک نوجوان شاعر تھے جو اتفاقاً دریا مین ڈوب کر مر گئے۔ گوہر مرحوم سید محمد اعظم صاحب مذاق کانپوری کے دوست تھے۔ اُنھون نے تاریخ کی فرمایش کی حکیم ناطق صاحب نے فوراً یہ مصرع پڑھا ع "غرق شد آہ گوہر نایاب" مصرعہ مین نام و تخلص و واقعہ اس خوبصورتی سے نظم ہوا ہے کہ تاریخ تو درکنار۔ سادہ مصرعہ اس سے بہتر کیا ایسا بھی نہین ہو سکتا خواہ کتنی ہی فکر کیجائے۔

جناب ناطق صاحب کی کئی غزلین جو فی البدیہہ کہی گئین۔ ہندوستان بھر مین مشہور ہین۔ اور اُن کا یہ قول کرسی نشین ہوا کہ اگر کلام اچھا ہے تو خود مشہور ہو جائیگا طبع و اشاعت کی سعی لاحاصل ہے اُنھین سے چند غزلون کے اشعار ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہین اشعار

کیا بتاؤن دل کہان ہے اور کس جا درد ہے مین سراپا دل ہون دل میرا سراپا درد ہے

بچ گئے تو انتہائے عشق مین لطف آئیگا اور ابھی تو ابتدا مین انتہا کا درد ہے

اپنا اپنا حال کہہ لینے دو ناطق سب کو تم جانتا ہے وہ کہ کس کے دل مین کتنا درد ہے

وقت رخصت چلتے چلتے کہہ گئے اب جو ارمان رہ گئے سو رہ گئے

غضب ہے نزع مین بھی در پے ایذا روہ کافر ہے
کوئی اتنا نہین کہتا کہ جانے دو مسافر ہے

مولوی تمنا صاحب کا ایک مطلع بہت مشہور رہا۔ یہان تک کہ اُس کی داد مرزا غالب نے بھی دی وہ مطلع یہ ہے۔ **مطلع**

اداے یوسفی ہے لوٹ قاتل کے لڑکپن پر	سواد دیدۂ یعقوب کے دھبے ہین دامن پر

اسی غزل کا ایک شعر اور سن لیجیے۔ فرماتے ہین۔ **شعر**

خدا جانے یہ آنکھین دیکھنے کی کس کے عادی ہین	کہ اکثر دوست کا دھوکا ہوا کرتا ہے دشمن پر

اس مطلع کی تعریف مین حضرت غالب مرحوم تحریر فرماتے ہین کہ یہ مطلع تو گویا میری زبان سے کہا ہے۔ اس زمین مین خاکسار مؤلف کی بھی غزل ہے۔ دشمن کا قافیہ اکثر نکتہ سنج حضرات نے پسند فرما کر داد دی گو اس قابل نہین مگر موقع و محل کے اعتبار سے۔ پیش کیا جاتا ہے۔ **شعر**

محبت ہے بری شے دور کیون جاؤ ہمین دیکھو	ہمین نے بارہا سر رکھدیا ہے پائے دشمن پر

مصور جذبات فطرت حضرت ناطق لکھنوی مدظلہ فیضہ

مولوی حکیم ابوالعلا سید سید احمد صاحب ناطق لکھنوی خلف مولوی سید محمد عبد البصیر صاحب حضو نگرامی فن شعر مین بے مثال اور شاعر باکمال ہین۔ قابلیت علوم عربیہ خصوصاً طب و فلسفہ مین ممتاز اور ملک کے لیے باعث ناز ہین۔ حضرت امیر مینائی رح کے عزیز اور شاگرد ہین۔ حکیم صاحب اپنے کلام کی اشاعت کو شہرت طلبی سمجھتے ہین۔ اور شہرت طلبی کو ایک ناقابل معافی جرم۔ بارہا لوگون نے دیوان چھپوانے کی درخواست کی۔ مگر ہمیشہ یہ جواب ملا کہ اگر میرا کلام مقبولیت کے قابل ہے تو ضرورت طبع و اشاعت نہین خود دلوگون تک پہونچ جائیگا جیسا کہ سلف سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اگر ناقص ہے تو اسکی اشاعت اپنے عیوب کی شہرت کے مترادف ہے۔ محبی سید عبد الباقی صاحب سے جناب حکیم صاحب کے بعض لطائف اور اکثر فی البدیہہ اشعار مؤلف تک پہونچے ہین اور خود مؤلف بھی اُن سے زیادہ حکیم صاحب کا معترف ہے۔ صدہا اشعار حکیم صاحب نے فی البدیہہ کہے۔ اور برسون یہ شغل رہا کہ طرح دی اور گھڑی رکھکر ایک ایک منٹ مین ایک ایک شعر کہلایا۔ حیدرآباد مین سید دلاور علی صاحب وکیل ہائی کورٹ کے دولتکدے پر ایک مرتبہ حکیم صاحب کے پھوڑے کا اپریشن کیا گیا۔ جو تخمیناً ایک گھنٹہ مین ختم ہوا۔ اور بہت سیر خون نکل گیا۔ وہ ایک پلنگ پر لٹا دیے گئے تھے۔ اور صرف چند گھنٹے گذرے تھے کہ اُنکے

۵ نہ یہ قید شریعت ہے نہ یہ غفلت کا پردا ہے　　رواج و مصلحت کی بات ہے حکمت کا پردا ہے
بھیں دھوکے مین ڈالا ہے مثال اہل یورپ نے　　وہان سایہ حکومت کا یہان غربت کا پردا ہے

آج کل بھر اخبارون مین پردے کی موافقت مین اکثر مضامین لکھے جارہے ہین۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی دہلوی نے بھی۔ ایک بہت دلچسپ مضمون تحریر فرمایا ہے۔ جس کا نصب العین حضرت اکبر کا یہی آخری مصرع ہے۔

امیرالشعرا حضرت تمنا مرزاپوری

حضرت تمنا ایک جوہر قابل تھے اور مرزا نوشہ غالب کے شاگرد تھے۔ لنڈن مشن اسکول مرزاپور مین ہیڈ مولوی تھے۔ اور مولنا عبدالاحد احد آلہ آبادی عربی وفارسی کے منتہی تھے اور گورنمنٹ اسکول مین عربی پڑھاتے تھے۔ باہم دونون بزرگون مین چوٹین چلا کرتی تھین۔ مولانا احد باوجود عالم فاضل ہونے کے رندانہ مزاج رکھتے تھے۔

اچھے جان جو مرزاپور کی ایک حسین و مشہور طوایف تھی اُسی کے گھر مولانا آحد رہا بھی کرتے تھے۔ صرف کھانا مولوی فرزند علی صاحب وکیل کے یہان کھانے آجایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت تمنا کو کسی صحبت مین افیونی کے خطاب سے یاد فرمایا۔ حضرت تمنا نے جب سنا تو کوئی تیس چالیس شعر مولانا کی ہجو مین کہے۔ خاکسار مؤلف کی عمر اُس وقت ۱۵ سال کی تھی۔ اس لیے وہ اشعار یاد نہ رہ سکے صرف ایک شعر یاد رہ گیا وہ ملاحظہ ہو۔ **شعر**

چیت رنڈیون کی فضیلت کی پگڑی　　حذاقت کی خوب آپ نے ناک رگڑی

محمد اعظم علی خان رئیس مرزاپور جو میرے ہم سبق تھے اُنکی شادی کو ایک ہفتہ کا زمانہ باقی تھا۔ محمد سین خان صاحب رئیس مرزاپور کے دولت کدہ پر مین بھی موجود تھا۔ اتفاق سے مولوی تمنا صاحب بھی ادھر سے گذرے۔ ساجد مرحوم نے کہا مولانا ذرا ادھر تشریف لائیے۔ وہ جب آئے تو قلم دوات کاغذ میز پر منگوا کر رکھدیا اور کہا اعظم کی شادی کا رقعہ لکھ دیجیے۔ اُسی وقت چند اشعار تحریر فرمائے۔ اس رقعہ کا بھی صرف ایک شعر مجھے یاد رہ گیا جو حمد کے بعد نعت مین آپ نے تحریر فرمایا تھا وہ شعر یہ ہے **شعر**

کھیتی سخن کی نعت نبی سے ہری رہے　　دامان خامہ لے تری گودی بھری رہے

لسان العصر خان بہادر حضرت اکبر الہ آبادی

ایک دفعہ حضرت اکبر لکھنؤ تشریف لائے۔ اساتذہ لکھنؤ ملنے کے لیے گئے۔ اکبر نے بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ ان حضرات کا خیر مقدم کیا۔ اور بڑھے ہوئے اشتیاق کے ساتھ فرمایش کر کے ان بزرگون کا کلام سنا۔ اور داد بھی دی۔ مگر ان کا دل کچھ خوش نہ ہوا۔ کیونکہ مضامین وہی فرسودہ وہی گل وبلبل وہی چوٹی وہی زلف وہی کمر جو اگلے اساتذہ کہہ گئے ہین۔ آخر مین سب نے حضرت اکبر سے بھی فرمایش کی کہ آپ بھی کچھ سنائین۔ انھون نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔ **شعر**

تم سے استادون مین میری شاعری بیکار ہے ساتھ سارنگی کا بلبل کے لیے دشوار ہے

یہ شعر سن کر اکثر حضرات نے مُنہ بنالیا اور یہی ایک مطلع سن کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

لیڈرانِ قوم پر جب خیانت کا الزام ثابت ہوا۔ اور اخبارون مین غل وشور ہوا۔ یہ صدا ان کے کانون تک پہونچی تو یہ اشعار فرمائے **اشعار**

کہان ہم مین جماعت اور طاعت شکستہ ہوگئے سابق کے رشتے
نہین ہے کچھ شکایت لیڈرون کی کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے

اسی ضمن مین یہ اشعار بھی کہے۔ **اشعار**

کرلی ہے مین نے خوب نئی روشنی کی جانچ للہ مجھسے کیجے نہ اب آپ تین پانچ
ان لیڈرون کی شعلہ بیانی سے کیا ہوا ہانڈی تو سر درہ گئی مذہب پہ آئی آنچ

جب اکثر علمائے دین نے گاندھی جی کے نقش قدم پر قدم رکھنا شروع کیا اور انکی ہر بات آیت وحدیث سمجھنے لگے تو حضرت اکبر نے جل کر یہ مطلع کہا **مطلع**

بدھو میان بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہین گو مشت خاک ہین مگر آندھی کے ساتھ ہین

حضرت اکبر نے جب پردے کے خلاف اخبارون اور رسالون مین مضامین پڑھے تو وہ قطعہ فرمایا جسے ہم بزم خیال مین لکھ چکے ہین جو اس وقت زبانون پر ہے۔ یعنی ؎

بے پردہ کل جو آئین نظر چند بیبیان ۔ الخ

اس کے بعد یہ قطعہ فرمایا جس مین آخری مصرع سمجھنے اور دیکھنے کی چیز ہے۔ اور یہی مصرع قطعہ کی جان ہے

اسی طرح ایک دفعہ ذوق مرحوم کا یہ مطلع کسی کی زبان سے سنا **مطلع**

ٹک دیکھیو اس لذت پیکان کے اثر کو　　جنبش مرے اب تک ہے لب زخم جگر کو

اس مطلع کو سن کر کئی باتین اچھی نہ معلوم ہوئین۔ ایک تو "ٹک" ذوق کے زمانے مین بھی متروک تھا پھر اس کا لکھنا بالکل زیادتی ہے۔ دوسرے لذت سے ہونٹ چاٹنا مرسوم و معمول ہے۔ جنبش کا یہ محل نہین۔ جنبش تکلم و تبسم کے وقت ہوتی ہے۔ تیسرے مصرعۂ ثانی مین شائبۂ ذم ہے۔ چوتھے تعقید مکروہ ہے۔ اس تنقید کے بعد حضرت زاہد نے فرمایا کہ کاش یون فرماتے تو مطلع صاف ہو جاتا **مطلع اصلاحی**

دیکھو تو ذرا لذت پیکان کے اثر کو　　فرصت نہین لب چاٹنے سے زخم جگر کو

کسی نے داغ مرحوم کا یہ شعر پڑھا **شعر**

تھک کے بیٹھون بھی جو وحشت مین تو سر پھرتا ہے　　پانو کے چرخ مرے سر مین چلے آتے ہین

جناب زاہد نے سن کر فرمایا کہ پانو مین چکر ہوتا ہے۔ اب تک پانو کے چکر تو سنے تھے چرخ نہین سنے۔ چکر مصرع مین نہ آسکا تو چرخ کہدیا۔ غالب نے کہا ہے **ع** ایک چکر ہے مرے پانو مین زنجیر نہین

جناب داغ کا مطلع ہے۔ **مطلع**

کبھی فلک کو پڑا دل جلون سے کام نہین　　اگر نہ آگ لگا دون تو داغ نام نہین

یہ مطلع بہت مشہور ہوا۔ جناب زاہد نے سن کر فرمایا کہ اگر مصرع ثانی اس طرح پر ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔

ع جلا کے خاک نہ کر دون تو داغ نام نہین +

قطع نظر اسکے مضمون و الفاظ میر سوز کے ہین **سوز سے**

دل جلون کو یون جلانا بھلا رے او آسمان　　سوز سے اب تک پڑا تجھکو نہین کچھ کام ہے

جناب داغ کا یہ شعر **شعر** وہ تشریف لاتے ہی بولے کہ رخصت　　نہین ہم کو ملنے کی فرصت زیادہ

مضمون اور بیان اُلجھا ہوا معلوم ہوا۔ کیونکہ یہ واضح نہین کہ اُنھون نے تشریف لاتے ہی جو رخصت کہا تو کیا مطلب ہوا اور کہان آکے کہا۔ آیا میرے مکان پر آتے ہی مجھکو کہا کہ چل دو۔ یا مین اُن کے مکان پر تھا اور اُنھون نے کسی اور جگہ سے آکر مجھکو بیٹھا دیکھکر کہا کہ چل دو۔ اس لیے یہ خیال ہوا کہ یہ ایہام یون صاف ہو سکتا تھا **ع** پہونچتے ہی میرے وہ بولے کہ رخصت +

پھر یہ نام کیون رکھا گیا۔ حضرت زاہد نے کہا۔ **شعر**

لوگ بھی بکتے ہین کیا کیا مہملات — کتنی اُلٹی ان کی ہے ہر ایک بات
ہے وفات ایک اور کہین بارہ وفات — دن کا نام اندھیر دیکھو جمعرات

ایک دفعہ کسی صاحب نے پوچھا کہ اردو مین تذکیر و تانیث الفاظ کا بڑا جھگڑا ہے۔ آخر علامت مذکر کیا ہے۔ جناب زاہد نے ہنس کر جواب دیا کہ لفظ مذکر مین خود موجود ہے دیکھ لو۔ وہ سن کر بہت ہنسے

ایک دن حضرت زاہد دیوان غنی دیکھ رہے تھے اور بعض اشعار چند نکتہ فہم احباب کو سنانے جاتے تھے۔ جب یہ شعر پڑھا **شعر**

بسکہ شد زنجیر پایم رشتۂ حب الوطن — در سفر دایم چو سوزن چشم دارم در قفا

تو زرا سے تامل کے بعد فرمایا کہ اگر یہ شعر اس طرح کہا جاتا تو ترکیب نحوی کے لحاظ سے بھی درست ہو جاتا تقدیم و تاخیر سے پاک ہوتا۔ زیادہ فصیح ہو جاتا۔ اور سب سے بالاتر یہ کہ مطلع بن جاتا۔

رشتۂ حب الوطن از بسکہ شد زنجیر پا — در سفر دایم چو سوزن چشم دارم در قفا

سب نے پسند کیا اور اس جودت طبع کی داد دی۔

پیشرو شعرا ولی اورنگ آبادی کا ایک صاحب نے یہ شعر بہت تعریف کے ساتھ پڑھا۔

آغوش مین آنیکی کہان تاب ہے اس کو — کرتی ہے نگہ جس قد نازک پہ گرانی

فرمایا قد موزون نہین بلکہ تن کہا جاتا تو موزون ہوتا۔ قد کی صفت موزون و بلند ہے۔ نازک نہین تن کو نازک بولتے ہین

ایک دفعہ کسی نے مولانا حالی کی یہ رباعی پڑھی۔ **رباعی**

ہو عیب کی خو یا کہ ہنر کی عادت — مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا اُس گلی مین جانا — عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

جناب زاہد نے کہا کہ اگر مولانا اس طرح فرماتے تو اختصار ہوتا اور شعر زوائد سے منزہ ہوتے

یا عیب کی خو ہو یا ہنر کی عادت — چھٹتی نہین بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا دان کا جانا — عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

رباعی پڑھنے والے صاحب نے اتنا پسند کیا کہ لکھ لیا۔

ایک دفعہ ایک صاحب نے پنڈت نسیم کا یہ مطلع پڑھا **مطلع**

ہے بسکہ کم وہ بال سے باریک ترکمر　　لٹکے نہین۔یہ ڈھونڈھتے ہین موئے سر کمر

جناب زاہد نے فرمایا کہ مصرعۂ ثانی اگر اس طرح ہوتا تو بہتر ہوتا۔کیونکہ لٹک کر ڈھونڈھنا مرسوم نہین دوسرے مصرع بھی صاف ہوجائیگا **ع** جھک جھک کے ڈھونڈھتے ہین ترے موئے سر-کمر ؛

بعض مقامات پر گل قند اور قلم کو مؤنث بولتے ہین۔ایک صاحب نے حضرت زاہد سے بھی الہ آباد مین پوچھا جواب دیا کہ دونون مذکر ہین پھر سوال کیا کہ کس دلائل سے۔مسکراکر جواب دیا کہ گلقند تو دافع قبض ہے اور قلم اپنی ہیئت سے علامت تذکر ظاہر کر رہا ہے۔مستفسر چونکہ نکتہ فہم تھے دیر تک ہنستا گیے اور اس جواب ظریفانہ کی داد دیا کیے۔

شکر بنانے کا ایک کارخانہ جاری ہوا تو ایک عنایت فرمانے شرکت و خریداری حصص کے لیے بہت اصرار سے لکھا حضرت زاہد نے صاف طور سے انکار تو مناسب نہ سمجھا لیکن ظرافت سے ٹال دیا اور یہ رباعی لکھکر بھیجدی **رباعی**

شرکت کو جو لکھا تو سرافرازی کی　　لیکن مجھے حاجت نہین جانبازی کی

آتی ہے شکر ذیابیطس سے مجھکو　　مین خود ہی مشین ہون شکر سازی کی

حضرت زاہد کے ایک دوست برسرکار ہوکر کان پور گئے۔چونکہ شباب کا زمانہ تھا شادی ہوئی نہین تھی روپیہ پیسا ہاتھ مین آیا۔عیاشی مین لٹانا شروع کیا حضرت زاہد نے اُنکو فہمایش کے طور پر طولانی خط لکھا آخر مین یہ رباعی لکھی **رباعی**

بچ اُس سے ہمیشہ زن بدکار جو ہو　　کوڑی ہے وہ جھنجی نہ گرا بارے کو

روگی نہ ہو رسوا نہ ہو برباد نہ ہو　　ٹوٹے منی بیگون مین نہ زر ڈال کے کھو

جناب زاہد کی آنکھیں کبھی نہین دُکھنے آتی تھین۔ایک دفعہ دُکھنے آئین تو بہت زیادہ اور بہت دنون تک دُکھین۔احباب نے تعجب سے پوچھا یہ اب کے نئی بات کیا ہوئی یا تو کبھی نہ دُکھتی تھین۔یا ایسی دکھین۔ہنسکر جواب دیا **بیت**

کہین بے جگہ جاکے بیڈھب لڑی ہین　　یہ آنکھون کو اُسکی سزا مل رہی ہے

ایک دفعہ بارہ وفات جمعرات کے دن ہوئی۔بعض لوگون نے پوچھا کہ رحلت پیغمبر تو ایک دن ہوئی

کسی زمانے مین ایک نہایت حسین طوائف یکتاے روزگار تھی۔ مگر ایک آنکھ بیکار ہو گئی تھی۔ بعض بے تکلف احباب نے حضرت زاہد سے بلیغ اصرار کیا تو متعدد رباعیان لکھین جنمین سے دو لکھی جاتی ہین

رباعی چربانک ہے یہ نرگس شہلا اُس کی — رکھتے ہین نظرباز تمنا اُس کی
ہے دھوئی دھلائی آنکھ ایسی کٹر — جاتا ہی رہا آنکھ کا پردا اُس کی

دیگر

رباعی اس آنکھ نے ہر اک کو کیا متوالا — ہر مست پیے ہوے ہے اُس کا پیالا
نرگس کے کٹورے مین بھرا ہے پانی — یا پھول یہ نرگس کے لگا ہے جالا

ایک اندھے کو اتفاق سے بیوی بہت حسین مل گئی تھی۔ غریب بہت کچھ حفاظت کرتا تھا مگر بے سُود جب جناب زاہد کو بھی یہ علم ہوا کہ ایک تیلی اور ایک پٹھان اس عورت کی تاک مین ہر وقت لگے رہتے ہین تو یہ مثل نظم کی

شعر

بُری طرح سر ہین پٹھان اور تیلی — اب اندھے کی جورو کا اللہ بیلی

ایک حسین عورت قتابینی کا پیشہ کرنے لگی تھی۔ ایک شیخ صاحب بھی اُس پر فریفتہ ہوئے۔ مگر زر نیست عشق ٹین ٹین۔ قابو مین آتی تو کیونکر آتی۔ ایک دن شیخ صاحب نے بوسے کا سوال کیا اُدھر سے روپیہ کا سوال ہوا جو ان کے بس کا نہ تھا۔ آخر بھاگ نکلے۔ حضرت زاہد نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا

تضمین

شیخ نے جب کہا کہ بوسہ بدہ — بولی رنڈی کہ زر بدستم نِہ
شیخ بھاگا وہان سے کہکر یہ — بہ تمنائے گوشت مردن بہ
زتقاضاے زشت قصابان

ایک دفعہ طرح مین میر مرحوم کا یہ مصرع دیا گیا **ع** گئی ہے میر گولی کان پر سے۔ یہ مضمون تو خود میر صاحب ختم کر چکے تھے مگر ندا اسی فکر مین حضرت زاہد نے ایک دوسرے پہلو سے تضمین کر دیا جس کو عام طور سے نکتہ سنج حضرات نے پسند کیا۔ اور بے حد داد دی۔ زیادہ خوبی یہ پیدا ہوئی کہ مطلع بن گیا۔

مطلع

بچا ہون بال بال اُس کی نظر سے — گئی ہے میر گولی کان پر سے

آتے جاتے ٹانگ لیتا ہے ہمارا ار دلی　　　اپنا کتا باندھیے ہم باز آئے بھیک سے

فرمایا کہ آپ کے لیے ہرگز اطلاع کی ضرورت نہین۔ اور اظہار ندامت و معذرت کے بعد چپراسی پر بہت خفا ہو کر جرمانہ کیا۔

ایک دفعہ چند احباب لکھنؤ مین ہمراہ تھے سرراہ ایک کافرادا کے جمال دلکش کو دیکھکر سب حیران رہ گئے پتا نہ چلا یہ کون غارت گر ایمان تھا۔ حضرت زاہد بھی اُس کے حسن دلفریب کو دیکھکر متاثر ہوے تھے۔ اس لیے کئی دن تک اُس کا تذکرہ ہوتا رہا۔ حضرت زاہد بھی کہہ اُٹھے کہ کچھ پتا نہ چلا کہ یہ کون غارت گر ایمان تھا۔ احباب مین سے بعض نے کہا کہ شاید اُس کافر آنکھون کا جادو آپ پر بھی چل گیا۔ حضرت زاہد نے جواب مین یہ شعر پڑھا **شعر**

زاہد جو اُس کو دیکھ کے یون ناشکیب تھا　　　مجبور تھا۔ وہ حسن ہی زاہد فریب تھا

ایک دن ایک مجمع مین ذکر ہو رہا تھا کہ سنار اور صراف خواہ کچھ اُن سے لیجیے یا دیجیے ہر حالت مین اپنا فائدہ کر لیتے ہین۔ کوئی زیور سونے کا اُلٹ پلٹ کر دو مرتبہ بنوائیے آدھی قیمت کا رہجاتا ہے چونکہ حضرت کو بھی اسکا تجربہ ہو چکا تھا فی البدیہہ اشعار موزون کر کے پڑھے **اشعار**

زرگر و صراف کا ہے فائدہ ہر حال مین　　　لٹ گیا وہ پھنس گیا آکر جو انکے جال مین

لیجیے یا دیجیے چاندی ہے انکی ہر طرح　　　مول مین کچھ تول مین کچھ میل مین کچھ مال مین

سید ممتاز علی صاحب ابر مرحوم وکیل و رئیس سہارنپور نے اپنے باغ جدید کے نفیس آم حضرت زاہد کو بھیجے آپ نے شکریہ مین یہ شعر لکھکر بھیجے۔ **اشعار**

یہ آم لاکلام ہین خاص انبیا کی نسل　　　جنّت کے شہد خاص کے لبریز جام ہین

کہتے ہین آم آم انھین خاص و عام سب　　　لیکن یہ آم عام نہین خاص آم ہین

حضرت زاہد دلّی مین اپنے ایک عزیز کے یہان مقیم تھے۔ انھون نے ماما کو دھوبن کے بلانے کے لیے بھیجا تھوڑی دیر کے بعد اُسنے کہا کہ میان اجلی آگئی ہے کپڑے دیدیجیے،، انھون نے جو اجلی کو دیکھا تو میلی اور کالی کلوٹی فوراً یہ رباعی موزون کی **رباعی**

کالی ہے یہ دھوبن تو مثال دیجور　　　اور نام زمانے مین ہے اُجلی مشہور

پھبتی ہے یہ پھبتی اُس پہ جو دھوئے نہ دُھلے　　　برعکس نہند نام زنگی کافور

چھوڑکر آئے ہین۔"

(اس کا فسانۂ عشقیہ آپ نے نہایت پاکیزہ زبان اردو مین لکھکر اس مثنوی کا عیدن کی رعایت سے "صبح عید" نام رکھا وہ مثنوی ایک دفعہ لاہور مین چھپی تھی قابل دید ہے)

ایک دفعہ دہلی مین کسی صحبت مین ذکر ہوا کہ شہیدی نے نعتیہ قصیدے مین یہ قافیہ ایسا لکھا کہ اب ہونا مشکل ہے **شعر**

ہمیشہ اُسکے صاحبزادون کا گہوارہ جنبان تھا عجب ڈھب یاد تھا روح الامین کو بھی خوشامد کا

فرمایا کہ یہی قافیہ مین نے بھی نظم کیا ہے **شعر**

طواف کعبہ مشتاق زیارت کو بہانہ ہے کوئی ڈھب چاہیے آخر رقیبون کی خوشامد کا

تمام مجمع نے بے حد تعریف کی اور کہا کہ واقعا یہ شعر بھی بے مثل ہوا ہے۔

ایک مولوی صاحب کو جو واعظ بھی تھے اپنے تقدس پر بہت ناز تھا۔ ایک دن جناب فیض کی آزادانہ وضعی پر معترض ہوئے اور دفتر پند وملامت کھولا۔ آپ سنا کیے لیکن جب وہ اعتدال سے بڑھے۔ اور کسی طرح سلسلۂ ملامت کو ختم ہی نہ کیا تو آخر تنگ آکر جناب فیض نے اشعار ذیل سے جواب دیا۔ **اشعار**

ہم وہ نہین کہ وعظ کہین دن کو بیٹھکر اور خلوتون مین کام کرین چھپ کے رات کو

تفضیح ہے خلاف مروّت خلاف دین ورنہ دکھا دین کرکہو ہم پانچ سات کو

ان اشعار کو سن کر حضرت واعظ دم بخود ہوئے اور پھر زبان نہ کھولی (عطیۂ حضرت زاہد)

سید زاہد حسین زاہد سہارنپوری

ایک دن حضرت زاہد خان بہادر سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی سے جب وہ سہارنپور مین جج تھے ملنے گئے۔ ملاقات کے بعد باہر آئے تو چپراسی انعام کے لیے سر ہوا۔ اُس وقت تو یہ کہکر ٹال دیا کہ ہم اہل مقدمہ نہین۔ پھر انعام کیسا۔ دوسری مرتبہ پھر جانے کی ضرورت ہوئی تو چپراسی نے پھر انعام چاہا اور انکار کرنے پر بہ کراہت دیر مین اطلاع کی۔ اطلاع پاتے ہی سید صاحب باہر نکل آئے اور فرمایا آئیے آئیے حضرت زاہد نے ہنس کر کہا۔ ؎

صہبائی - مومن و ذوق - و غالب کی صحبتون سے مستفید ہوئے تھے - عربی - فارسی - اردو مین اصناف سخن پر قادر اور بے مثل ادیب تھے - لاہور مین عربی کے پروفیسر تھے - ایک دفعہ دلی مین جب مرزا غالب وصہبائی وغیرہ نے مثنویان لکھین تو مولانا فیض نے بھی لکھی جب پڑھین گئین تو سب نے باتفاق تسلیم کیا کہ انکا مطلع بے مثل ہوا ہے - مطلع یہ تھا - **مطلع**

بنام آنکہ رقص لبسمل او   زمین گرداند از پہلو بہ پہلو

نوٹ

مولانا کی دو فارسی مثنویان قلمی - حضرت زاہد سہارن پوری کے کتب خانے مین موجود ہین - جو اب تک نہین چھپین -

ایک دفعہ طلبا کو فلسفہ کا درس دے رہے تھے - مضمون یہ تھا کہ انسان کا خیال اضطراری ہے - اختیاری نہین - ہر شے اور ہر بات کی طرف بے ارادے پہونچ جاتا ہے - درس کے بعد بازار سے گذرے تو ایک جگہ ناچ ہو رہا تھا - آپ طلبا کو جو ہمراہ تھے چھوڑکر ناچ کے مجمع مین کھڑے ہوکر دیکھنے لگے - طلبا نے کہا کہ مولانا یہ تو آپ کے علم وفضل ورع اور سن کے بالکل شایان شان نہین آپ نے ہنسکر فرمایا "ہون ہون ابھی تو پڑھکر آئے ہو اَلتَّصَوُّرُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ شَیْءٍ"

ایک دفعہ دلی مین بارش ہو رہی تھی - مولانا فیض درس سے فارغ ہوکر کتابین بائین ہاتھ مین بغل مین لیے پائینچے چڑھائے - جوتے دہنے ہاتھ مین لیے جا رہے تھے - دلی کے ظریف الطبع یارون نے ایک عربی کے طالب علم کو اس ہیئت سے آتے دیکھکر مشورہ کیا آؤ اس کو چھیڑین اور سلام کرین - اس کے داہنے ہاتھ مین جوتے ہین - یہ یقینی جواب مین جوتے اپنے سر کی طرف اُٹھائے گا چنانچہ ایک شخص نے زور سے السلام علیکم کہا - مولانا نے بائین ہاتھ کے اشارے سے جواب سلام دیا! اور دھنا ہاتھ جس مین جوتے تھے اُٹھاکر ادھر ہلاکر کہا کہ مزاج شریف - چھیڑنے والے بیحد خفیف ہوئے

بڑھی عیدن سہارن پور مین ایک طوائف تھی - کبھی اُس کے یہان بھی جا بیٹھتے تھے کیونکہ اُس کے یہان اور بھی بامذاق وفہمیدہ لوگ آتے جاتے تھے - ایک دن جو اُس کے یہان پہونچے تو وہ اگلے زمانے کی سیدھی سادی عورت چرخہ کات رہی تھی - اُس کو دیکھکر آپ اُلٹے پاؤن پھرے اُس نے سلام کرکے کہا کہ "ہین مولانا لوٹ کیون چلے - تشریف لائیے" آپ یہ فرماکر چل دیے کہ "ایسی تو اپنے گھر بھی

سوزان فکرسخن مین تھے دہین سے جل کر فرمایا **شعر**

میر کا کوٹ ہے یہ مصر کا بازار نہین　　لاکھ یوسف ہون تو یان کوئی خریدار نہین

ایک دفعہ حضرت سوزان نے زہرہ طوایف لکھنؤ کے۔ یا اُسکے استاد شمس کے کلام پر کچھ اعتراض کیے
انھین دنون مین حضرت سوزان کی ایک غزل کسی اخبار مین شایع ہوئی۔ آنے کے قابل۔ جانے کے
قابل۔ اُسپر زہرہ نے غزل کہی۔ مقطع مین حضرت سوزان پر چوٹ کی۔ **مقطع**

نہ کہہ زہرہ اُس کی غزل پر غزل تو　　کہ سوزان نہین مُنہ لگانیکے قابل

حضرت نے دیکھا تو فرمایا **شعر**

نہ کر دھیان زہرہ کی باتون کا سوزان　　یہ قحبہ نہین مُنہ لگانے کے قابل

یہ تو ایک شوخی طبیعت تھی کہ اُس وقت تو کہہ گئے۔ لیکن دیوان چھپا تو اُسمین مقطع بدل کر
یون کردیا **مقطع**

لگا نا نہ منہ زال دنیا کو سوزان　　یہ قحبہ نہین منہ لگانے کے قابل

سہارنپور مین عیدن نامی ایک طوایف تھی جس کے یہان اکثر اُس زمانے کے باذاق اور
وضعدار لوگ جاکر گھڑی دو گھڑی بیٹھتے تھے۔ کیونکہ عیدن علاوہ خوبیِ حسن خوبیِ اخلاق و شایستگی
سے بھی متصف تھی۔ ایک دن حضرت سوزان کی صحبت مین اُس کی تہذیب اور حسن کا ذکر
آگیا تو فرمایا **بیت**

غنیمت ہے اس آتش پارہ کا دم شہر مین سوزان　　کبھی گرجا نکلتے ہین تو آنکھین سینک آتے ہین

حضرت سوزان کے مکان کے سامنے ایک درزی کی دُکان تھی۔ ایک صاحب وہان آکر سوئی تاگا
اُٹھا کر کچھ سینے کے لیے تاگا پرونے لگے۔ درزی کے لڑکے نے کہا لائیے مین تاگا ڈال دون وہ صاحب
کہنے لگے کہ نہین نہین تو ہات ہٹا اور مجھے پرونے دے۔ حضرت سوزان سامنے سے دیکھ رہے تھے فرمایا

درزی بچے سے شیخ جی وہ کر رہے ہین بات　　جانے دے ذرا سوئی مین دھاگا ابھی کچھ او

(عطیہ حضرت زاہد)

مولانا فیض سہارنپوری

مولانا فیض الحسن۔ فیض سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ دلّی مین تکمیل علوم کی تھی شیفتہ۔ آزردہ

مسٹر حامد اللہ افسر میرٹھی ۔ ایم ۔ اے پروفیسر

شہنشاہ جہانگیر کے دربار کی کسی چابکدست مصور کی بنائی ہوئی ایک تصویر جسمین یہ دکھایا گیا تھا کہ ایک نہایت حسین عورت ایک نہایت باریک آب روان کا دوپٹہ سر سے پاؤن تک تانے ہوے سو رہی ہے ۔ دوپٹہ اس قدر باریک ہے کہ حسن خوابیدہ دوپٹہ سے چھن چھن کر باہر آ رہا ہے ۔ اور دیکھنے والی نگاہون مین چکا چوندھ پیدا کر رہا ہے ۔ اس دلربا سین کو دیکھکر ہمارے نکتہ سنج دوست حضرت افسر کے جذبات مین فوری ایک تلاطم پیدا ہو گیا ۔ اور فی البدیہہ یہ شعر موزون کرکے پڑھا شعر

رکھکر نظر کے سامنے تصویر خواب ناز ۔۔۔ پہرون ترے خیال مین بیٹھا رہا ہون مین

سُبحان اللہ شاعری اسی کا نام ہے ۔ کسی نازک اندام کمسن کے خواب ناز کی تصویر تو پہلے مصرع مین کھینچ ہی دی تھی مگر دوسرے مصرع مین جو اپنی تصویر کھینچی ہے اُسے دیکھکر مانی و بہزاد بھی ہاتھ سے قلم رکھدین گے ۔ ع پہرون ترے خیال مین بیٹھا رہا ہون مین ۔ اس مصرع کی کیا تعریف ہو ۔ بیساختہ یہ شعر زبان پر آتا ہے شعر

اس کو کس طرح شاعری کہیے ۔۔۔ زیب ہے سحر سامری کہیے

مسٹر دیا نراین نگم ۔ بی ۔ اے ۔ ایڈیٹر رسالہ زمانہ کانپور کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا ایڈیٹر صاحب موصوف سے افسر صاحب کے تعلقات ہین ۔ انتقال کی خبر موصول ہوتے ہی حسب ذیل مطلع فی البدیہہ موزون ہو گیا جس کو افسر صاحب نے ایڈیٹر صاحب کے والد کے نام سے معنون کر دیا ۔ مطلع یہ ہے ۔ مطلع

مل جائے جو تجھ سے جا کر ایسا کسکا مقدر ہے ۔۔۔ دریا مین جو قطرہ ہے یا دریا ہے یا گوہر ہے

حضرت سوزان سہارنپوری شاگرد مرزا غالب

حضرت سوزاں سہارنپوری محلہ میر کے کوٹ مین رہتے تھے ۔ ایک دن گھر مین بیٹھے تھے کہ ایک صاحب نے دروازے پر آواز دی پوچھا کون صاحب ہین ۔ جواب دیا ۔ نیازمند محمد یوسف ۔ حضرت

وجد مین آ گئے۔ اور انتہا سے زیادہ انکی غزل کی داد دی گئی۔ دوسرے روز جب یہ بازار سے نکلے تو لوگ انگلیان اُٹھا اُٹھا کر کہتے تھے کہ یہی وہ صاحبزادے ہین جنکے ہاتھ کل کا مشاعرہ رہا۔ اچھا اب اس غزل کا مطلع ملاحظہ ہو مطلع

زندہ چھوڑیگی نہ تیغ نگہ یار مجھے
موت کے گھاٹ اُتاریگی یہ تلوار مجھے

واقعی "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" اسی طرح فصیح الملک حضرت داغ مرحوم جب دس سال کے تھے۔ اپنے استاد ذوق مرحوم کے ہمراہ شاہی مشاعرے مین شریک ہوے۔ ابتدا ہی سے طبیعت مین انتہا کی شوخی تھی۔ اُسی زمانے مین غالب مرحوم نے۔ دم نکلے۔ غم نکلے۔ اِس زمین مین غزل کہی تھی جس کی شہر بھر مین بڑی دھوم تھی۔ جب داغ کے آگے شمع آئی۔ انھون نے اسی طرح مین غزل کہی تھی۔ اپنے استاد سے غیر طرح پڑھنے کی اجازت چاہی کہ غیر طرح پڑھون۔ انھون نے کہا ہان پڑھو۔ جس وقت مشاعرے مین یہ شعر اُنھون نے پڑھا۔ شعر

ہوے مغرور وہ جب آہ میری بے اثر دیکھی
کسیکا اس طرح یارب نہ دنیا بھر مین دم نکلے

سارا مشاعرہ چونک پڑا۔ بادشاہ نے بڑی تعریف کی اور انکو پاس بلا کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

جب میر صاحب ہمیرپور مین حکیم تجمل علی صاحب کے مکان پر رہتے تھے۔ اور مولوی فضل علی صاحب سے فارسی مین ابو الفضل اور طاہر وحید، شبنم شاداب پڑھتے تھے۔ حسن اتفاق اُسی زمانے مین منشی امیر احمد مینائی وہان تشریف لائے۔ اکثر آپ حکیم صاحب سے ملنے آیا کرتے تھے

ایک روز میر صاحب سے کہا کہ مین نے تمھاری ذہانت اور جودت طبع کی بہت تعریف سنی ہے خنجر آفتاب، منور آفتاب، پر کچھ شعر کہو۔ الامر فوق الادب۔ دوسرے دن کچھ شعر کہکر حاضر کیے مطلع ملاحظہ ہو۔ مطلع

کون کہتا ہے ترے رخ کا ہے ہمسر آفتاب
ہو تو لے پہلے کف پا کے برابر آفتاب

حضرت امیر نے بہت تعریف کی اور مقطع مین ایک لفظ کی ترمیم تجویز کی۔ انھون نے دست بستہ عرض کیا کہ "جناب اس سے معاف فرمائین، مین جناب صغیر کا شاگرد ہو چکا ہون"۔ یہ سن کر وہ اور زیادہ خوش ہوئے۔ منشی صاحب کا سن اُس زمانے مین تخمیناً ۱۲ برس کا ہوگا۔

(از رسالہ اردو بابت اپریل ۱۹۲۵ء)

مکتب سے کہین چلے گئے - لڑکون کو جو موقع ملا تو شاعری کی ٹھیری - میر صاحب کی سمجھ مین نہ آتا تھا کہ کیونکر کہین اور کیا مضمون باندھین - اتفاق سے آپ کی نظر سامنے زینے کی جانب گئی زینے مین بہت تاریکی تھی - اور جب کبھی میر صاحب اس پر چڑھتے تھے تو ڈرا کرتے تھے - آپ زینے کی طرف دیکھ ہی رہے تھے کہ بے اختیار یہ مصرع زبان پر آگیا - مصرع

کالی بلا کو دیکھ مرا جی دہل گیا +

خود استعداد لکھنے کی نہ تھی - اپنے چچا میر حامد علی سے جو ہم مکتب تھے لکھنے کو کہا - انھون نے انکار کیا - غرضکہ اسی رد و قدح مین مولوی صاحب آگئے - پوچھا کیا باتین ہو رہی ہین - میر حامد علی نے کہا طاہر نے شعر کہا تھا - انھون نے پوچھا کیا کہا - میر صاحب نے ڈرتے ڈرتے مصرع پڑھا مولوی صاحب ہنسے اور فرمایا کیون نہو آخر ہو کس باپ[1] کے بیٹے

میر طاہر جس زمانے مین گلستان پڑھتے تھے اور کوئی شوق نہ تھا - کبوتر اڑایا کرتے تھے - یا کنکوے لڑاتے - چونکہ سات آٹھ برس کی عمر ہی سے موزون طبع واقع ہوئے تھے اسلیے کنکوون پر یہ شعر کہہ کہہ کر لکھدیا کرتے مثلاً شعر

یہ آواز دیتا ہے شل نقیب — کہ نصر من اللہ و فتح قریب

جب یہ تیرہ چودہ برس کے ہوے ایک مشاعرے مین یہ طرح ہوئی - بیار مجھے - تلوار مجھے - پہلے پہل اس طرح مین غزل کہی - اور مولوی صاحب کو دکھائی - مولوی صاحب دیکھکر پھڑک گئے اور بے حد تعریف کی اور کہا کہ مین اصلاح نہین دے سکتا - چلو منشی صغیر کے پاس لیے چلتا ہون - چنانچہ آپ مولوی صاحب کے ساتھ منشی امداد حسین صغیر کے پاس حاضر ہوے - مولوی صاحب نے فرمایا

کہ حضور! میری عمر ۵۰ سال کی ہوئی - مگر دو لڑکون کے برابر مین نے کوئی لڑکا ذہین نہ دیکھا - ایک تو یہ صاحبزادے اور دوسرا کلکتے مین ایک بنگالی مسلمان کا لڑکا - اب ماشاءاللہ انھون نے ایک غزل کہی ہے وہ اصلاح کے لیے لائے ہین - منشی صاحب نے غزل دیکھکر کہا کہ اگر تم نے کہا ہے تو کمال کیا ہے خدا نظر بد سے محفوظ رکھے - دیر تک غزل کو صورت تصویر دیکھا کیے اور محو حیرت رہے غرضکہ منشی صاحب کی اصلاح کے بعد آپ نے وہ غزل مشاعرے مین پڑھی - اور اہل مشاعرہ ایک ایک شعر پر

[1] حضرت طاہر کے والد ماجد میر اطہر صاحب ایک باکمال شاعر اور مسلم الثبوت استاد تھے -

واقعی حضرت طاہر کا کلام حشو و زوائد سے پاک اور استادانہ ہوتا تھا۔ اور بعض زمینون مین تو بعض شعر ایسے کہہ گئے ہین جس کا جواب دشوار ہی نہین بلکہ ناممکن ہے۔

مرنے ٹالے۔ بھرنے والے۔ اس زمین مین داغ و امیر کی غزلین قابل دید ہین۔ سنورنے والے اس قافیہ مین حضرت امیر فرماتے ہین **شعر**

بزم ماتم ہی مین شب کو کہین آ جا چھپ کر　　　او مرے سوگ کے پردے مین سنورنے والے

جناب داغ کہتے ہین **شعر**

عمر بھر حسن خداداد رہا کرتا ہے　　　دو گھڑی بعد بگڑتے ہین سنورنے والے

بزم سخن کے ان دونون محترم اور باکمال صدر نشینون کے یہ اشعار نکتہ سنجون کی زبانون پر ہین۔ اسی قافیے مین حضرت طاہر یون گہرفشان ہین **شعر**

کچھ سے او شام جدائی ہو کسی طرح نجات　　　باندھ لین تجھکو بھی جوڑے مین سنورنے والے

یہ شعر کیا کہدیا۔ اس زمین کو مول لیلیا۔ اس شعر کی تعریف مین زبان و قلم قاصر ہین۔ دوسری زمین جہان سے کہان سے۔ منشی صاحب کا مطلع ہے **مطلع**

بڑھے کیا ربط یار دلستان سے　　　نیا ہم رنگ دل لائین کہان سے

داغ سے فغان کو لاگ ٹھہری آسمان سے　　　اُٹھا جاتا ہے پردہ درمیان سے

جلال سے ڈرین بلبل مرے برق تپان سے　　　خبردار اپنے اپنے آشیان سے

اب ذرا حضرت طاہر کا مطلع ملاحظہ فرمایئے۔ **مطلع**

وہ جب کہدین کہ اُٹھو آستان سے　　　الٰہی تو اوٹھا لینا جہان سے

یقین تو ہے کہ ارباب نظر اس مطلع کو سن کر کلیجا تھام لین گے۔ میری ناچیز رائے تو یہ ہے کہ اس زمین پر بھی استاد نامور طاہر مرحوم نے اپنے زور قلم سے قبضہ کر لیا ہے اور ایسے تو صدہا نشتر اُنکے دیوان مین ہین جو آج تک میرے کلیجے مین چبھ رہے ہین۔ مین نے صرف ایک شعر اور ایک مطلع اس غرض سے لکھ دیا ہے کہ اکثر حضرات اس "حسن خیال" کے پڑھنے والو مین ایسے بھی ہونگے جو حضرت طاہر کے مرتبہ شاعری اور اُنکے کلام سے ناآشنا ہونگے "

جس وقت آپ کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ نادر گریا، نامقیان پڑھتے تھے تو ایکدن مولوی صاحب

پڑھوا دیجائے تو کیا رنگ جمیگا۔ یا فی الحقیقت ایک نامور و جلیل القدر استاد کے کلام سننے کے لیے دل بے چین تھا غرضکہ لوگون کے بے حد اصرار سے نواب فصاحت جنگ کی غزل ایک شاعر خوش گلو نے شروع کی۔ مطلع کا پڑھنا تھا کہ مشاعرے مین ایک سناٹا چھا گیا۔ اہل مشاعرہ تو کیا در و دیوار سے صداے آفرین و مرحبا آنے لگی۔ اساتذۂ فن ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے۔ سنا کہ ایک مطلع حضرت اتنی بار پڑھوایا گیا کہ حاضرین مشاعرہ سے شمار نہ ہو سکا پھر تو جو شعر تھا وہ ایک تیز نشتر تھا جو سننے والون کے کلیجے مین چبھ رہا تھا۔ غزل ختم ہوتے ہوتے ساری محفل بے خود و مدہوش ہو گئی۔ احباب وجد مین تھے۔ حسّاد کو چکر آ گئے۔ اس غزل کے بعد جس شاعر سے غزل پڑھنے کی فرمایش کی گئی۔ اُس نے صاف انکار کیا۔ اور بعض منصف مزاج حضرات نے تو صاف لفظون مین کہدیا۔ شعر

آگے ان کے فروغ پانا سورج کو چراغ ہے دکھانا

غرضکہ مشاعرہ کا خاتمہ انھین کی غزل پر ہو گیا۔ نہ شعرائے لکھنؤ نے غزل پڑھی۔ نہ باہر کے اساتذہ نے غزل پڑھنے پر حامی بھری۔ جب خاکسار سے حضرت محشر و جناب ظریف ملے۔ اور مین نے مشاعرے کی کیفیت دریافت کی تو یہی فرمایا کہ بڑتاب گڑھ جانے کا حاصل یہ ہوا کہ جلیل کی غزل سن لی اب ہمارے ناظرین اس غزل کے مشتاق ہونگے۔ مگر ہم صرف ایک مطلع لکھکر نکتہ سنجون اور اہل مذاق سے داد طلب ہین۔ مطلع ذرا ملاحظہ ہو مطلع

غضب ہوتا جو بے پردہ تری صورت کہین ہوتی کہ تجھپر جو نگہ پڑتی نگاہِ واپسین ہوتی

اسی ایک مطلع سے پوری غزل کا اندازہ فرمایئے قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

لسان الملک حضرت ریاض نے ئے جب یہ واقعہ سنا فرمایا کہ ناسخ و آتش کے زمانے سے آج تک کسی مشاعرے مین ایسا واقعہ نہین سنا یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے فرد ہے اور یادگار زمانہ رہیگا

حضرت طاہر فرخ آبادی

دنیائے شاعری مین آپ کا نام نامی محتاج تعارف نہین۔ دور آخر کے آپ ایک کامل اور مسلّم الثبوت استاد تھے۔ جن کے دیوان کی تاریخ استاد عدیم النظیر جناب امیر مینائی رح نے کہی اور یہ مصرع بہت صحیح فرمایا۔ مصرع پاک پایا ہم نے سب عیبون سے طاہر کا کلام ۔

صلے مین ایک ہزار روپیہ نذر کرتا ہون - ریاض نے نہایت ادب کے ساتھ تسلیم کرتے ہوئے اس عطیہ کو قبول فرما کر اس قدر دانی اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا - یہ صلہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلا واقعہ ہے - دنیائے ادب مین ہمیشہ ممدوح نے اپنے مداح کو صلہ مرحمت فرمایا ہے - ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی شاعر کو کسی شعر پر صلہ دیا گیا ہو - یہ مولانا ہی کا حصہ ہے - سبحان اللہ -

ایک دفعہ میر تقی میر کا ایک صاحب نے یہ شعر پڑھا اور خاص طور پر حضرت کو متوجہ کیا شعر

میرے سنگ مزار پر فرہاد ۔۔۔ رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد

اور یہ بھی کہا کہ آج تک کسی استاد نے ایسی تصویر فرہاد کی نہین کھینچی - حضرت ریاض نے دوسرے دن اپنی غزل سنائی جس کے مقطع کا آخری مصرع یہ تھا ع ہائے یہ نور کی شکل اور گنہگارون مین ؟ اسی غزل کا ایک شعر یہ سنایا جس مین فرہاد کی تصویر یون کھینچی - شعر

روح فرہاد بھرا کرتی ہے کہسارون مین ۔۔۔ شب کو اک شکل نظر آتی ہے تیشہ بردوش

جتنے حضرات اس وقت بیٹھے تھے پھڑک پھڑک اٹھے اور بے ساختہ سب نے کہا کہ میر کا شعر نقش اول تھا اور یہ نقش ثانی ہے - میر مرحوم کے اس مطلع کے جواب مین حضرت ریاض کا مطلع ملاحظہ ہو -

میرے جا کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد ۔۔۔ نہ رہی دشت مین خالی کوئی جا میرے بعد

ریاض سے بھول جائین گے خدائی کا مزا میرے بعد ۔۔۔ یاد آئیگا بتون کو بھی خدا میرے بعد

نواب فصاحت جنگ جلیل القدر حضرت جلیل

پرتاب گڈھ مین ایک عظیم الشان مشاعرہ غالباً سنہ ۱۹۱۹ء مین تھا - اور حضرت جلیل حیدرآباد دکن سے رخصت لیکر اپنے وطن مانکپور آئے ہوئے تھے - صاحب مشاعرہ ایک ذی اقتدار شخص تھے انھون نے حضرت جلیل سے وعدہ شرکت مشاعرہ کا لیا - اس مشاعرے مین باہر کے اکثر اساتذۂ فن مدعو کیے گئے تھے - لکھنؤ سے بھی مولانا صفی حضرت محشر وجناب ظریف وغیرہ تشریف لے گئے تھے - استاد جلیل بوجہ ناسازی مزاج مشاعرے مین شریک نہو سکے مگر غزل لکھکر بھیجدی تھی - یہان وقت مقررہ پر مشاعرہ شروع ہوا - طرح یہ تھی جبین ہوتی جبین ہوتی - ابھی دس ہی بارہ حضرات نے غزلین پڑھی تھین کہ اکثر حضرات نے جلیل کی غزل سننے کا بیحد اشتیاق ظاہر کیا - خدا جانے اس خیال سے کہ ابتدا مین غزل

ہے ہے دیا قضا نے تجھے آتشین کفن کیا داغ تازہ لیکے چلا ہے قضا کے بعد

سید علی محمد عارف نبیرۂ میر انیس مرحوم

جناب عارف مرحوم اخلاق و محبت کی کان تھے۔ خاکسار مؤلف اکثر اُنکی خدمت مین حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ سلسلۂ شعر و سخن مین مین نے اپنی وہ تاریخ سنائی جو خان بہادر مصطفےٰ خان رئیس و آنریری مجسٹریٹ مرزاپور کی صاحبزادی "سیدہ مرحومہ" کی وفات پر کہی تھی جس کا مادۂ تاریخ یہ مصرع تھا۔ مصرع

سیدہ ہے قبر مین یا نور چشم مصطفا

سن کر پھڑک گئے۔ اور یہ فرمایا کہ مادۂ تاریخ آپ ہی کا حصہ ہوگیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ مین آشوب چشم مین مبتلا ہوا جسکی وجہ سے مہینون سخت تکلیف رہی۔ آنکھین بند کیے لیٹا رہتا تھا۔ جب مین اچھا ہوا اور آنکھین کھلین تو بے ساختہ میری زبان سے یہ فقرہ نکل گیا "چشمِ ما روشن دل ماشاد" جوڑا تو یہی مادۂ تاریخ نکل آیا۔

لسان الملک حضرت ریاض

حضرت ریاض نے جب یہ مطلع کہا مطلع

گل مرقع ہین ترے چاک گریبانون کے شکل پریون کی ہے انداز ہین دیوانون کے

کسی نے مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس اعظم کو بھی سنایا۔ جن کی نکتہ سنجی و سخن فہمی کا ایک زمانہ معترف ہے۔ سن کر دیر تک محو حیرت رہے۔ جب ذرا سکون ہوا تو فوراً حضرت ریاض کو تار دیا کہ "کل تشریف لائیے سخت ضرورت ہے"۔ حضرت ریاض نے تار کا جواب دیا کہ فلان ٹرین سے آتا ہون"۔ آپ مع مصاحبین و چند رؤساے گورکھپور کے اسٹیشن پر اپنے معزز مہمان کو لینے آئے جب حضرت ریاض اسٹیشن گورکھپور پر پہونچے تو مولانا کو اور اس مجمع کو دیکھکر سخت گھبرائے اور دل مین کہنے لگے کہ یا الٰہی خلاف معمول آج یہ کیا ہے۔ مولانا نے سب سے پہلے مبارکباد دیتے ہوے حضرت ریاض کے گلے مین پھولون کا ایک ہار پہنایا۔ اور اس مطلع کو پڑھکر فرمایا کہ یہ مطلع جو آپ نے نعت مین کہا ہے اُس کے

مین بیٹھا رہا۔ بار بار مزے لے لیکر پڑھتے رہے۔ اور جو حضرات ملنے جاتے تھے اکثر اُنکو سناتے تھے
ایک دن آپ نے ایک غزل کہی۔ جستجو کرتے۔ آرزو کرتے۔ اس طرح مین مطلع آپ نے مجھے
سنایا۔ وہ یہ تھا مطلع

جبا کے ہان جو عیسےٰ سے گفتگو کرتے ضرور ایک پیمبر کا تم لہو کرتے

مین سنکر صورت تصویر خاموش رہا۔ پھر خود ہی فرمایا کہ شاید تم کو اس مطلع مین سوء ادبی کا
خیال ہوا ہوگا۔ مین نے عرض کیا کہ "جی ہان"۔ فوراً اس مطلع کو قلمزد فرمایا۔ خدا بخشے متصف مزاج
بھی ایسے تھے۔

منشی محمد اسمعیل منیر شکوہ آبادی

حضرت منیر جب کالے پانی مین تھے۔ حقے کا آپ کو بے حد شوق تھا۔ وہان عمدہ تمباکو کہان سے
آتا۔ آخر ایک روز حقہ پیتے وقت تمباکو کی تلخی سے متاثر ہو کر حسب ذیل رباعی نظم فرمائی۔

رباعی
تمباکو بھی ہوا ہے کڑوا ہم سے رک رک کے بوتا ہے حقا ہم سے
برسات مین کس غضب کی گرمی ہے منیر جھلوانے لگی آگ بھی پنکھا ہم سے

(عطیہ لسان الملک حضرت ریاض)

حکیم مولانا عبد الہادی خان وفا رامپوری

مولانا حسرت موہانی اردوئے معلے بابت ماہ مارچ ۱۹۲۵ء مین حضرت وفا کا ذکر کرتے ہوئے تحریر
فرماتے ہین کہ انکا ایک صاحبزادہ اتفاقی طور پر چراغ کی لو سے جل کر گزر گیا اُسکے مرگ ناگہان کا حکیم صاحب
کو کچھ روز تک بہت قلق رہا۔ چنانچہ اس سانحہ ہوش ربا کی یاد مین ایک غزل بطور مرثیہ بھی کلیات
مین موجود ہے۔ جسکے چند شعر یہ ہین اشعار

پھر تازہ امتحان وفا ہے وفا کے بعد کیا رہ گیا تغافل صبر آزما کے بعد
بھرتا ہون زہر کاسۂ گردون مین ہائے ہائے پیتا ہون زہر عابد شیرین ادا کے بعد
تو جل گیا کہ خانۂ امید جل گیا دل بجھ گیا ترے سخن دلکشا کے بعد

منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی

حضرت تسلیم لکھنوی نے باوجود پیرانہ سالی کے کبھی ادبی خدمت سے دریغ نہین کیا۔ اور اخیر وقت تک شاگردون کو برابر اصلاح دیتے رہے۔ آپ نے ۱۰۷ سال کی عمر پائی اور ۱۹۱۱ء مین انتقال فرمایا نہایت زندہ دل اور فن شعر سے باخبر تھے۔ عرش گیاوی کے اس شعر پر جو نوٹ حضرت تسلیم نے تحریر فرمایا وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ عرش کا شعر یہ تھا **شعر**

ہون سرخرو جہان مین وہ دن خدا کرے　　میر ازل سے دانت ہے انگیا کے پان پر

آپ تحریر فرماتے ہین۔ "کیا چھاتیان کاٹ کھاؤ گے؟" **ع**

اب شاعری کے بدلے فقط رہ گئی جگت　　اے جان بہنوا نگر کھا ہاتھی کے تھان کا

یہ شعر غزل سے نکال دو۔ اب رنگ کا زمانہ گیا　　(از مشاطۂ سخن حصۂ اول)

حضرت شوق قدوائی

جب خاکسار مؤلف بھوپال مین پیشکار تھا تو حضرت شوق سے برسون یکجائی رہی۔ روزانہ دو تین گھنٹے نشست رہا کرتی تھی۔ اور اُن سے استفادہ حاصل کیا کرتا تھا۔ حضرت شوق کی ساری عمر مشغلۂ شعر و سخن مین گذری۔ بہت بڑے محقق تھے۔ داد سخن عوام کو تو کیا۔ اساتذۂ فن کو بھی نہین دیتے تھے میرا قاعدہ تھا کہ بھوپال کے مشاعرون مین جب کوئی غزل کہتا منشی صاحب کو سنا دیتا تھا جس شعر کو فرما دیتے تھے کہ یہ بھرتی کا ہے نکال دیتا تھا۔ ایک مرتبہ طرح تھی "نالون کو" "پیالون کو" جس وقت مین نے یہ شعر پڑھا **شعر**

لحد مین دب گیا ظلمت سے میر انور ایمان تک　　کوئی کافر مگر ماتم مین بکھرائے ہے بالون کو

بے اختیار ہو گئے اور بیحد تحسین کی اور فرمایا کہ مین نے ایسا اچھوتا مضمون نہ فارسی مین دیکھا نہ اردو مین۔ فوراً آدمی کو بلایا اور کہا کہ وہ مٹھائی جو کل نائب صاحب کے یہان سے آئی ہے اُٹھا لا۔ آدمی تشتری مین موتی چور کے لڈو جو خاص فرمایش سے بنوائے گئے تھے لے آیا۔ مجھ سے اصرار فرما کر فرمایا کہ کھائیے مین نے بہت عذر کیا مگر نہ مانے۔ آخر مین نے پانچ چار لڈو کھائے۔ میرا یہ شعر انکی زبان پر تھا جب تک

مولانا شبلی شعر العجم جلد چہارم مین تحریر فرماتے ہین کہ میر اطالب علمی کا زمانہ تھا کہ ایک دن ایک صحبت مین کسی نے کلیم کا یہ شعر پڑھا **شعر**

سرو بہ بستان چو دہد جلوہ یغمائی را — اول از سرو کند جامہ رعنائی را

والد مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے۔ مین نے کہا کہ کپڑا اُتارنے کو جامہ کشیدن بھی کہتے ہین اسلیے شاعر اگر "کند" کے بجائے "کشد" کہتا تو زیادہ فصیح ہوتا۔ جامہ کندن گو صحیح ہے لیکن فصیح نہین۔ سب چپ ہو گئے۔ والد مرحوم نے ذرا سوچ کر کہا کہ نہین یہی لفظ (کند) شعر کی جان ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق باغ مین جب غارت گری کی شان دکھاتا ہے تو پہلے سرو کی رعنائی کا لباس اُتار لیتا ہے۔ لباس اُتارنے کے دو معنی ہین ایک یہ کہ مثلاً کوئی شخص گرمی وغیرہ کی وجہ سے کپڑا اُتار کر رکھدے یا اُسکا نوکر اتار لے۔ دوسرے یہ کہ سزا کے طور پر کسی کے کپڑے اُتروا لیے جائین۔ یا نچوائے جائین۔ فارسی مین انکے لیے دو مختلف لفظ ہین، جامہ کشیدن اور جامہ کندن۔ چونکہ یہان مقصود یہ ہے کہ معشوق ذلت کے طور پر سرو کا کپڑا اُتار لیتا ہے۔ اس لیے یہان جامہ کندن کے الفاظ جامہ کشیدن سے زیادہ موزون ہین حاضرین نے اس توجیہ کی بے ساختہ تحسین کی۔

مفتی میر عباسؒ

جناب مفتی میر عباس اعلے اللہ مقامہ لکھنؤ کے مشہور ادیب و مجتہد تھے ایک دن اُنکی خدمت مین ذوالفقار الدولہ مصاحب سلطان عالم واجد علی شاہ اختر۔ اردو کا ایک نوحہ لیکر آئے اور کہا حضور اس پر اصلاح دیدین مفتی صاحب نے فرمایا کہ کبھی مین اردو کیا جانون۔ جب اُنھون نے بے حد اصرار کیا تو کہا اچھا پڑھیے۔ ذوالفقار الدولہ نے جب یہ شعر پڑھا **شعر**

شاہ جب مرنے چلے رن مین تو زینب نے کہا — اک لحد پہلو مین ہو بھائی بہن کے واسطے

فرمایا پہلا مصرع یون بدل دو "وقت رُخصت شاہ سے زینب نہ اتنا کہہ سکین"، وقت رخصت کو کس قدر تنگ ثابت کر دیا کہ جناب زینب اپنے حسرت دل کا اظہار بھی نہ کر سکین پہلی صورت مین آرزو کے ظاہر ہونے سے شعر زیادہ درد انگیز نہ تھا اس کے علاوہ شعر کی شرعی پہلو سے بھی حفاظت کی۔ (از مشاطۂ سخن حصہ اول)

بتایا تو بہت خفیف ہوے اور سب تماشائیون نے قہقہے لگا کر ونس مور (ایک بار اور) کا غل مچا دیا۔

فصیح الملک حضرت داغ ایک دن کمرے مین نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک صاحب ملنے کے لیے آئے اور انکو نماز مین مصروف دیکھکر اُلٹے پاؤن لوٹنا چاہا۔ حضرت داغ نے سلام پھیر کر پوچھا کہ کیون جناب آپ لوٹے کیون جارہے ہین۔ جواب دیا کہ حضور نماز پڑھ رہے تھے۔ اس لیئے واپس جارہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ "مین نماز پڑھ رہا تھا لاحول تو نہین پڑھ رہا تھا"۔ اس پھڑکتے ہوے فقرے کو سُنکر وہ نہایت دل مین کٹے اور بیٹھ گئے۔

نوٹ اس لطیفہ کو صاحب خمخانہ جاوید نے لکھا ہے اور مؤلف سے محبی مرتضی حسین عرف للن صاحب نے بیان کیا۔

شمس العلما مولانا شبلی

جب مولانا شبلی الہ آباد آئے۔ اور حضرت اکبر کو انکے ورود کی خبر پہونچی آپ نے دعوت کی اور قلم برداشتہ یہ اشعار لکھکر مولانا کی خدمت مین روانہ کیے۔ **اشعار**

آتا نہین مجھکو قبلہ قبلی ۔۔۔ بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اُٹھاؤ آج کی رات ۔۔۔ کھانا یہین کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا ۔۔۔ سمجھو اُس کو پلاؤ قلیا

اس کے جواب مین مولانا نے اشعار مندرجۂ ذیل لکھکر معذرت چاہی (بزم خیال اڈیشن چہارم)

آج دعوت مین نہ جانے کا مجھے بھی ہے ملال ۔۔۔ لیکن اسباب کچھ ایسے ہین کہ مجبور ہون مین
آپ کے لطف و کرم کا مجھے انکار نہین ۔۔۔ حلقہ در گوش ہون ممنون ہون مشکور ہون مین
لیکن اب مین وہ نہین ہون کہ پڑا پھرتا تھا ۔۔۔ اب تو اللہ کے افضال سے تیمور ہون مین
دل کے بہلانے کی باتین ہین یہ شبلی ورنہ ۔۔۔ جیتے جی مردہ ہون مرحوم ہون مغفور ہون مین

شبلی۔ الہ آباد۔ ۲۲ نومبر ۱۹۰۷ء)

(مکتوبات شبلی حصہ دوم)

مرزا پور جو سخن فہمی کے مدعی تھے۔کسی نے اُن کے سامنے داغ کا یہ شعر پڑھا شعر

عمر بھر حسن خداداد رہا کرتا ہے   دو گھڑی بعد بگڑتے ہین سنور نے والے

انھون نے کہا کہ داغ نے دھوکا کھایا۔حسن خداداد عمر بھر ہرگز نہین رہتا۔بڑھاپے اور شباب مین زمین آسمان کا فرق ہو جاتا ہے۔گالون پر جھریان پڑ جاتی ہین۔قد خمیدہ ہو کر رہجاتا ہے۔تمام اعضا بڑھاپے مین جواب دیدیتے ہین۔

مین نے وکیل صاحب کا اعتراض لکھکر حضرت داغ کی خدمت مین بھیجدیا۔میرے عریضے کے جواب مین جو گرامی نامہ صادر ہوا۔اسمین یہ پھڑکتے ہوے الفاظ تھے۔

"کوئی بوڑھا یا کوئی بڑھیا خوبصورت ہوتی ہے۔شان حسن خداداد کسی زمانے مین نہین جاتی۔ اسپر بھی معترض صاحب نہ مانین تو میری بلا سے"

خدا بخشے نواب بہادر حسین خان انجم بیان فرماتے تھے کہ جب داغ رام پور مین ملازم تھے اُسی حالت مین ایک دفعہ لکھنؤ آئے اُس زمانے مین مشتری طوایف کی لکھنؤ مین دھوم تھی۔داغ نے کہا چلیے زرا مشتری سے بھی مل آئین۔مین نے کہا بسم اللہ۔ہم اور داغ مشتری کے ہان گئے۔بڑی تعظیم و تکریم سے ہم لوگون کو بٹھایا۔مشتری نے داغ سے پڑھنے کے لیے اصرار کیا جب حضرت داغ نے یہ شعر پڑھا۔

شعر شب ہجران کے جاگنے والے   ایسے سوئے کہ پھر خبر نہ ہوئی

مشتری بیخود ہو گئی اور دیر تک یہ بیخودی اُسپر طاری رہی۔بار بار یہ شعر پڑھتی تھی اور وجد کرتی تھی پھر داغ نے کہا کہ کچھ اپنا کلام سنائیے وہ بیاض لینے دوسرے کمرے مین گئی۔یہان حقہ بھرا ہوا سامنے رکھا تھا۔اتنے مین ایک صاحب اور تشریف لائے۔اُن کے دھکے سے چلم فرش پر گر پڑی سفید چاندنی کئی جگہ آگ کے انگارون سے جل گئی۔آدمی جلدی جلدی فرش سے انگارے اُٹھانے لگے۔اُدھر سے مشتری بیاض لیکر آئی۔گھبرا کر پوچھا ہین یہ کیا ہوا۔داغ نے کہا کہ "داغ لگ گیا"

مرزا داغ بہت سیہ فام تھے۔ایک دفعہ حیدرآباد مین ایک تھیٹر مین حضرت داغ بھی موجود تھے کسی شوخ طبع ایکٹر نے داغ کی غزل گائی۔اور مقطع کا یہ مصرعہ ثانی

ع جسے داغ کہتے ہین اے بتو اسی روسیاہ کا نام ہے ؛ حضرت داغ کی طرف اشارہ کرکے

اس وقت تک صرف گنتی کے چند شعرا نے غزلین پڑھی تھین - بڑے بھیا نے فرمایا کہ آپ علیل ہین اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو اپنی غزل پڑھ دیجیے - غرض کہ منشی صاحب غزل پڑھنے کے لئے بیٹھے - جس وقت یہ مطلع پڑھا - **مطلع**

اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ مین ۔۔۔ مشعل دکھائی برق تجلی نے راہ مین

مطلع کیا تھا - سحر سامری کا چلتا ہوا جادو تھا - اہل مشاعرہ ایک عالم محویت مین بیٹھے ہوے تھے ہر طرف سے شور تحسین بلند ہوا - ساری محفل مین کوئی نہ تھا جس کے مُنہ سے سبحان اللہ اور صلِّ علے کے الفاظ بیساختہ نہ نکل رہے ہون - بعض حضرات جو نا آشنا تھے - وہ پوچھنے لگے کہ حضرت یہ کون بزرگ ہین کسی نے کہدیا منشی امیر احمد مینائی ہین - لوگون نے زانو پیٹ پیٹ لیے - ایک مطلع پچاسون مرتبہ پڑھوایا گیا - غزل کے ختم ہوتے ہوتے لوگ مرغ بسمل کی طرح پھڑکنے لگے - کسی مین ہوش وحواس باقی نہ رہے - جب منشی صاحب نے غزل ختم کی تو بڑے بھیا نے بازو پکڑ کے اس مسند پر لاکر بٹھا دیا - جو صدر مین حضرت اسیر مرحوم کی خالی پڑی تھی - اور اکثر حضرات نے تائید فرمائی کہ بلاشبہ اس مسند کے قابل امیر ہی ہین -

اس غزل مین منشی صاحب نے اپنی قادر الکلامی کا پورا ثبوت دیا ہے - لکھنؤ و دہلی دونون جگہ کا رنگ اس مین نظر آتا ہے ہم دو چار شعر اس موقع پر لکھتے ہین اہل مذاق ذرا دیکھین اور داد دین - **ع**

اندھیر کر رہی ہے یہ چشم سیاہ مین ۔۔۔ شوخی کو قید کیجیے نیچی نگاہ مین

یہ شعر ملاحظہ ہو اہل دہلی کا رنگ اسمین کس قدر نمایان ہے **شعر**

وہ دشمنی سے دیکھتے ہین - دیکھتے تو ہین ۔۔۔ مین شاد ہون کہ ہون تو کسیکی نگاہ مین

اور ایک شعر ملاحظہ ہو **شعر**

افتادگی مین بھی مجھے معراج ہے نصیب ۔۔۔ ٹھوکر بھی کھائی ہے تو محبت کی راہ مین

غرضکہ پوری غزل بے مثل ولاجواب ہے - مقطع فرماتے ہین - **مقطع**

سودا و میر دونون تھے کامل مگر امیر ۔۔۔ ہے فرق واہ واہ مین اور آہ آہ مین

فصیح الملک حضرت داغ دہلوی

خاکسار مؤلف سے زمانۂ قیام حیدرآباد دکن خط وکتابت کا سلسلہ تھا ایک دفعہ منشی بینی پرشاد وکیل

تھی سلطان احمد صاحب فرماتے تھے کہ اس طرح میں غزل منشی صاحب قبلہ کی مرآۃ الغیب میں شائع ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ مطمئن تھے اور اس طرح میں فکر نہ کی۔ جب مشاعرے کی تاریخ قریب آئی تو مولوی محمد احمد صاحب تصریر مینائی نے پوچھا کہ کیا آپ نے اس طرح میں فکر کی۔ فرمایا ہماری غزل تو اس طرح میں موجود ہے اور مرآۃ الغیب میں چھپ چکی ہے۔ تصریر نے کہا کہ حضرت آپ اُسی غزل کے بھروسے پر ہیں یہاں سنا جاتا ہے کہ اساتذہ لکھنؤ و خاصکر شاگردانِ اسیر اس طرح میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اُس غزل کے تو پرخچے اُڑا دیں گے۔ اور پھر شائع شدہ غزل کا پڑھنا آپ کے مرتبے کے شایاں شان نہیں صبح مشاعرے کی تاریخ تھی۔ اور شب کو یہ باتیں باپ بیٹے میں ہوئیں منشی صاحب نے فرمایا کہ اچھا یکہ منگوائیے فوراً شمع سامنے آئی اور قلم دوات لے کر بیٹھ گئے اور تین گھنٹے میں ستر شعر لکھ کر تصریر صاحب کو دیئے کہ اچھا اس میں سے شعر انتخاب کیجئے۔ تصریر صاحب نے بیالیس شعر انتخاب کئے۔

دوسرے دن مشاعرہ تھا۔ دلا رام کی بارہ دری دُلھن کی طرح سج دی گئی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف ٹٹیاں لگا کر اور اُن میں روشنی کے گلاس جما کر رات کو دن کر دیا تھا۔ صدر دروازے سے اندر کی دہلیز تک روشنی کا یہ عالم تھا کہ آنکھوں میں چکاچوند ہوتی تھی۔ چاروں طرف پھولوں کے دروازے بنائے گئے تھے۔ باہر کی صحنچی میں پانی کا انتظام تھا۔ جا بجا ملازم صاف ستھرا لباس پہنے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے ساری بارہ دری۔ عطر و مشک کی خوشبو سے بسی ہوئی تھی۔ ریشمی قالین کارچوبی۔ گاؤ تکئے ہر طرف نظر آتے تھے۔ نقرئی و طلائی حقے قالین کے سامنے قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ ہر شاعر کے سامنے خاصدان میں پان لال صافیوں میں لپٹے ہوئے رکھے ہوئے تھے۔ صدر میں ایک مسند مغرّق رکھی گئی تھی۔ جو خالی تھی یہ اسیر مرحوم کی جگہ تھی۔ یہ مشاعرہ خاص اسی لئے کیا گیا تھا کہ دیکھیں اس مسند کے قابل کون ہے۔

باورچی خانہ میں ہر قسم کا کھانا۔ پلاؤ۔ مزعفر۔ قورمہ۔ مرغ مسلم۔ شیرمال۔ شیر برنج۔ ماہی کباب وغیرہ خوبصورت تشتریوں میں لگے ہوئے نظر آتے تھے۔ صحن میں متعدد گنگا جمنی خیمے نصب تھے ان خیموں میں دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ کھانا قرینے سے چن دیا گیا تھا۔ جو حضرات تشریف لاتے تھے وہ کھانا تناول فرما کر تب مشاعرے میں تشریف لاتے تھے۔ کوئی دو گھنٹے کے عرصے میں تین ہزار شاعروں نے کھانا کھا لیا اور ٹھیک دس بجے شب کو مشاعرہ شروع ہوا منشی صاحب چونکہ اس زمانے میں علیل تھے۔ صاحب مشاعرہ سے یہ عذر پہلے ہی کر لیا تھا کہ میں زیادہ دیر مشاعرے میں بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں قریب ۱۲ بجے شب کے تشریف لائے

حضرت جانِ عالم سُن کر بے حد محظوظ ہوئے :

اسی طرح شیخ ناسخ مرحوم ایک دن نواب نصیر الدین حیدر کے دربار میں حاضر تھے حقہ سامنے تھا۔ فرمایا کہ شیخ صاحب اس پر کچھ کہئے۔ آپ نے فوراً یہ قطعہ موزوں کر کے پڑھا۔ قطعہ

حقہ جو ہے حضورِ معلےٰ کے ہاتھ میں ۔۔۔ گویا کہ کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں

ناسخ یہ سب بجا ہے ولیکن تو عرض کر ۔۔۔ بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

چوتھے مصرع کی کیا تعریف ہو۔ (عطیہ لسان الملک حضرت ریاض)

مکرمی ضمیر حسن خاں صاحب دلی شاہ جہانپوری بیان فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ حافظ احمد حسن صاحب احمد مرحوم شاہ جہانپوری نے ایک مرتبہ میرے ذریعے سے کچھ اپنا کلام حضرت امیر کی خدمت میں بھجوایا جس میں ایک مسدس اردو سرمد شاہ کی فارسی غزل پر تھا۔ اس مسدس کا ایک بند یہ تھا مسدس

سحر ہے اُن کی نگاہِ شرمگیں ۔۔۔ جو ہوئی غارت گرِ ایمان و دیں

شعلۂ حسن نگارِ نازنیں ۔۔۔ سوخت بے وجہم تماشا را ببیں

کشتِ بے جرمم مسیحا را بہ بیں

ان مصرعوں کو مولانا خیال اور احسان شاہ جہانپوری نے بھی سنا تھا۔ اور بے حد داد دی تھی مگر جب منشی صاحب قبلہ کی نظر سے یہ مسدس گذرا۔ آپ نے جو نوٹ اسپر تحریر فرمایا وہ دیکھنے اور سمجھنے کی چیز ہے ایسی نازک بات بتائی کہ خیال و احسان کے ذہن میں بھی نہ آئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس مطلع میں قافیہ تماشا اور مسیحا۔ اور ردیف "را ببیں" ہے پس ایسی حالت میں اگر اس مطلع پر اردو کے مصرعے لگائے جائینگے تو فارسی کے مطلع میں ایطا کا عیب پیدا ہو جائے گا۔ جناب خیال نے منشی صاحب قبلہ کا نوٹ دیکھ کر کہا کہ واقعی جائے استاد خالی است۔ (مشاطۂ سخن حصہ اول)

۱۳۱۱ھ میں بعد امیر مرحوم بڑے بھیا و چھوٹے بھیا صاحبزادگان امیر نے ایک معرکتہ الآرا مشاعرہ منعقد کیا جس میں کل اساتذۂ لکھنؤ مدعو تھے منشی صاحب قبلہ بھی خاص طور پر مدعو کئے گئے۔ اس مشاعرے کا ذکر بھوپال میں منشی صاحب کے بھانجے سلطان احمد نے مجھ سے کیا تھا۔ اس مشاعرے کی طرح نگاہ میں۔ راہ میں

لے (متعلق سطر آخر صفحہ ۱۱۸) دوسرا مصرع لسان الملک حضرت ریاض کو بھی صحیح طور پر یاد نہ تھا۔ مکرمی ابو الکمال امید امیٹھوی نے فرمایا کہ میرے کان میں یہ مصرع پڑا ہوا ہے۔ لہذا وہی مصرع لکھا گیا۔ (مؤلف)

۵ آپ آتے ہیں عورت نہ کوئی سامنے آئے اقبال سے کہدو کہ عناں تھامنے آئے

مجھے جو شرارت سوجھی تو میں نے دوسرا مصرع یوں لکھدیا ع ہاں فتح سے کہدو کہ عناں تھامنے آئے۔ میں گردن جھکائے لکھ رہا تھا۔ کہ مرزا صاحب آہستہ آہستہ آکر پیچھے کھڑے ہوگئے۔ مجھے خبر نہ ہوئی۔ اس ٹیپ کو پڑھ کر ہنسے اور فرمایا واہ میر واجد حسین صاحب آپ نے تو مجھے بھی اصلاح دیدی۔ اب میں نے گردن اٹھائی۔ دیکھا مرزا صاحب کھڑے ہوتے ہیں۔ میں چپ۔ فرمایا۔ کیا اقبال سے آپ فتح کو اس موقع پر ترجیح دیتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ جی نہیں۔ اسوقت میرے خیال میں یونہی آگیا۔ میں اس کو مٹائے دیتا ہوں۔ کپڑا پانی میں ڈوبا ہوا سامنے رکھا تھا۔ میں نے اٹھایا فرمایا۔ ذرا ٹھیرو۔ سمجھ تو لو۔ لفظ فتح میں کیا برائی اور اقبال میں کیا خوبی ہے۔ میں نے کہا فرمائیے۔ فرمایا۔ اقبال اردو میں مذکر اور فتح مؤنث ہے سامنے آنا کب مناسب ہوگا۔ اس کے سوا لفظ اقبال کے لفظی معنی پر غور کرو۔ اقبال کے خود معنے آگے آنے کے ہیں لفظ فتح میں یہ بات کہاں۔ (حیات دبیر حصہ اول صفحہ ۱۰۵ مرسلہ حضرت نفیس بنگلوری)

مؤلف حیات دبیر یوں رقمطراز ہیں کہ مرزا احمد صاحب ظہور جن کے انتقال کو ابھی تین برس ہوئے مجھ سے ناقل تھے کہ ایکدن میر صفدر علی صفدر مرحوم میری موجودگی میں اپنا مرثیہ سناتے جاتے تھے۔ اور مرزا مرحوم سُن سُنکر اصلاح دیتے جاتے تھے۔ کہ انھوں نے ایک مقام پر تلوار کی تعریف میں یہ ٹیپ پڑھی۔

ٹیپ سدِ سکندری کو تپ لرزہ آتی تھی دیوار قہقہہ بھی کھڑی تھرتھراتی تھی

فرمایا اس کو یوں بناؤ۔ **اصلاح**

سدِ سکندری پہ جو بھڑکی گھُلا دیا دیوار قہقہہ پہ جو کڑکی رُلا دیا

(حیات دبیر جلد اول صفحہ ۶۳۔ مرسلہ حضرت نفیس بنگلوری)

اُستاد عدیم النظیر حضرت امیر مینائیؒ

حضرت جان عالم واجد علی شاہ اختر۔ آخری تاجدار اودھ نے قیصر باغ میں کلی پیتے ہوئے حضرت امیر مینائیؒ سے فرمایا۔ کہ کچھ پڑھئے۔ آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ موزوں فرما کے پڑھا۔

ساقیا پھول سے کیا کام کلی پیتے ہیں یہ گلابی اثر نشہ ملا کرتی ہے

دیکھنے میں تو وہ اک شاخ ہے پر واہ ری شاخ دہن تنگ کو غنچہ کبھی گل کرتی ہے

دوسرے دن میر مونس مرحوم ایک مرثیہ لکھ کر لائے۔ بات یہ تھی کہ میر انیس نے اس مرثیہ میں اس کے اختتام پر وقت شام یوں دکھایا ہے بیت

ناریوں سے اڑ کے سوئے فلک جارہی تھی گرد — سبزے پہ لوٹ پوٹ تھا مینائے لاجورد

میر مونس نے انھیں قافیوں میں صبح کی سینری دکھائی تھی۔ یہ مرثیہ میر انیس کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ بند یہ ہے۔ بند

زردی شفق میں اور وہ مینائے لاجورد — مخمل سی نرم گیاہ میں گل سبز سرخ زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد — یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

میر انیس نے دیکھا اور گرم ہو کر فرمایا یہ کیا دفعۃً آسمان سے زمین پر نیچے گر پڑے۔ ذرا خوب غور کرو کہ یہ ہوا کے بچوری سے آنے کا محل نہیں رہا۔ پھر کل بند کے مصرعوں کو یوں بنایا۔

اصلاح۔ وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد — مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز سرخ زرد
رکھتی تھی دیکھ کر قدم اپنا ہوائے سرد — یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

مونس نے عذر کیا کہ ہوا کی آنکھیں کہاں جو دیکھ سکے۔ انیس نے کہا مگر کان تو ہیں مطلب یہ کہ پھونکنا کسی بات کا کان کے اندر کہا جاتا ہے۔ اور رہا مالی گل تر کے خوف سے ہوا کو قدم قدم پر دیکھنا ضرور تھا۔

ایسے باخبر و باکمال سخنور اب مشکل سے پیدا ہوں گے۔ جن کی ملکۂ فطرت شناسی اور لطف زبان آوری ابتک یادگار و سبق آموز لیل و نہار ہیں۔

میر صاحب نے اس بند میں جن جن مقامات پر اپنا قلم لگا دیا ہے وہ دیکھنے اور سمجھنے کی چیز ہیں۔ اور واقعی سبق آموز ہیں۔ (رسالہ زمانہ بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۶ء)

مرزا سلامت علی دبیر

مولف حیات دبیر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میر واجد حسین مجھ سے ناقل تھے کہ ایک مرثیہ کسی شاگرد کا کہا ہوا مجھے مرزا صاحب نے دیا کہ اس کو صاف کر دو۔ حضرت عباس کے حال کا مرثیہ تھا اس موقع پر کہ جب حضرت عباس خیمے سے برآمد ہوئے ہیں مرزا صاحب نے اصلاحاً یہ ٹیپ لکھی تھی۔

؎ آج اُن کے سازِ دل اِسطرح ظاہر ہو گئے   داغ کا مذکور آیا تھا کہ تر بھر ہو گئے

لیکن میر نفیس نے وہی لکھنؤ کی زبان لکھی ع تر بھر ہوا لشکر یہ صف اِس جا تھی وہ اُس جا

میر انیس کی غزل گوئی کے زمانے میں کسی مشاعرے کے لئے طرح دی گئی تھی۔ آنے لگے۔ جانے لگے۔ لوگوں نے غزلیں کہیں اور خوب خوب کہیں۔ خواجہ آتش کا مطلع تو مشہور ہے۔ مطلع

بال اُن کے عارضِ پُر نور پر آنے لگے   چشمۂ خورشید میں بھی سانپ لہرانے لگے

میر صاحب مرحوم نے بھی غزل کہی جس کا ایک شعر سُن کر سب نے تسلیم کیا۔ کہ یہ قافیہ ان کا حصہ ہو گیا۔ شعر یہ تھا۔ شعر

جب مسیحا دشمنِ جاں ہو تو کیونکر ہو علاج   کون رہبر ہو سکے جب خضر بہکانے لگے

میر مونس مرحوم نے جب اس طرح میں بیداد کی ہے۔ فریاد کی ہے۔ غزل کہی تو مطلع کی داد احباب و دیگر نکتہ سنج حضرات نے بہت دی اور خود بھی مونس مرحوم کو یہ مطلع بہت پسند تھا۔ ایک دن میر انیس صاحب مع چند احباب کے باہر تشریف فرما تھے۔ میر مونس نے فخریہ یہ مطلع میر صاحب کو سنایا۔ مطلع

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے   یونہی مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

میر صاحب خاموش رہے۔ میر مونس کو یہ سکوت کچھ گراں گذرا۔ پوچھا کہ کیا اس مطلع میں کوئی نقص ہے؟ جواب دیا کہ یہی سوچ رہا ہوں۔ پھر پڑھو۔ مونس نے دوبارہ پڑھا۔ فرمایا کہ اچھا دوسرے مصرع میں بجائے "یونہی" "گھٹ کے" بنا دو۔ اور لطف معنی و زبان دیکھو۔ یوں پڑھو۔ ؎

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے   گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

مونس نے کہا کہ واقعی جائے استاد خالی است   (علیہ حضرت واقف لکھنوی)

میر نفیس مرحوم نے ایک مرثیہ میں وہ روایت نظم فرمائی تھی۔ کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام گھر سے مع اعزہ و رفقا رخصت ہو رہے تھے۔ اور حضرت صغرا ساتھ چلنے پر اصرار فرما رہی تھیں تو آخری ٹیپ کا مصرع یہ تھا ع کوئی بیمار سفر کو نہیں جاتا بیوی ۔ آپ نے فرمایا کہ اس مصرع کو یوں بنا دو۔

ع۔ ایسے بیمار سفر کو نہیں جاتے بیوی +   (علیہ حضرت عزیز لکھنوی)

میر انیس مرحوم نے ایک مجلس میں اپنا یہ مرثیہ پڑھا تھا۔ مرثیہ

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح

ں موقع پر وہ شعر بھی لکھ دینا مناسب ہے۔ کہ جب مرزا دبیر صاحب حالتِ نزع میں عیادت کے
ئے آئے اور میر صاحب سے پوچھا کہ کیسا مزاج ہے۔ میر صاحب نے جواب میں یہ مطلع پڑھا جو اُسی
الت میں موزوں کیا تھا۔ **مطلع**

آخر ہے عمرِ زیست سے دل اپنا سیر ہے　　پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے

پیارے صاحب رشید۔ میر انیس کے نواسے تھے۔ اُن کے مشقِ سخن کی ابتدا تھی۔ اُنھوں نے ایک غزل
ہ کر نانا کو دکھائی۔ مصرع طرح یہ تھا۔ ع وصل کی شب اُن سے باتوں میں سحر ہو جائے گی ؛ نانا کو خوش
یکھ کر اصرار کیا کہ آپ بھی اس طرح میں غزل کہیں۔ فرمایا۔ بیٹا ہماری غزل تو مرثیہ ہے۔ اچھا اگلی مجلس میں اسی طرح پر غزل سُنائینگے
ندہ مجلس میں اسی طرح پر سلام پڑھا اور فرمایا کہ "پیارے لو سنو ہماری غزل۔ ایک شعر یہ تھا۔ **شعر**

کہتے تھے سرور علی اکبر کا مرنا ہائے ہائے　　کیا غضب ہو گا جو صغرا کو خبر ہو جائے گی

ایک دفعہ میر انیس نے حضرت زینب کے صاحبزادوں کی تعریف لکھتے ہوئے یہ بیت لکھ کر
جلس میں پڑھی۔ **بیت**

وہاں یہ گلرو ہوں جہاں چھاؤں گھنیری ہووے　　عمر بھر ان کو جو دیکھے تو نہ سیری ہووے

کسی نے گھنیری پر اعتراض کیا کہ گھنی چھاؤں لکھنا چاہیئے تھا۔ میر صاحب نے اگلی مجلس میں اس اعتراض کا ذکر
رما کر فرمایا کہ "یہ میرے گھرانے اور دلی کی زبان ہے" مگر پھر میر نفیس جنھوں نے لکھنؤ میں تربیت پائی لکھ گئے۔
ع　گھنے درختوں کے نیچے گھنے گھنے سائے ؛　اہل لکھنؤ بجائے گھنیری کے گھنے ہی لکھتے ہیں۔ حفیظ
نپوری مرحوم تلمیذ حضرت امیر مینائی کا یہ مطلع ملاحظہ ہو۔ **مطلع**

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے　　ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

اسی طرح میر صاحب نے کسی جگہ تر بھر نظم کیا۔ جس کے معنی بگڑنے اور گھبرا جانے کے تھے۔ اس پر
لس میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ کہ لکھنؤ میں اس کے معنی پراگندہ اور منتشر ہونے کے ہیں۔ میر صاحب
ے سنا تو فرمایا کہ حضرات یہ وہ زبان ہے۔ جو میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے گھر میں سُنی ؛

نوٹ

میر صاحب نے صحیح فرمایا تھا۔ یہ خاص دلی کی زبان ہے۔ چنانچہ مرزا داغ
لکھتے ہیں ؛۔

خواجہ آتش اور شیخ ناسخ دونوں بزرگوار مجلس میں موجود تھے۔ جب میر انیس نے تلوار کی تعریف میں یہ بے مثل بیت پڑھی۔ **بیت**

اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے　　شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

تو خواجہ آتش سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس کی داد آپ سے چاہتا ہوں۔ خواجہ نشۂ کلام سے جھوم رہے تھے۔ فرمایا کون احمق تم کو محض مرثیہ گو کہتا ہے۔ واللہ تم تو شاعر گر ہو۔ اور تاج شاعری تمہارے ہی سر کے لئے ہے"۔

میر انیس مبتلائے تپ تھے۔ مفتی میر عباس مرحوم عیادت کو آئے۔ نبض دیکھکر فرمایا اب تو بخار بہت خفیف ہو گیا ہے۔ میر صاحب نے کہا کہ ایک مشت استخواں کی ناتوانی دیکھکر ایسا خفیف ہوا ہے کہ شاید اب منہ نہ دکھلائے۔

ایک دفعہ میر صاحب نے ملازم کو کسی کام کے لئے بازار بھیجا وہ بہت دیر میں آیا سبب دریافت فرمایا تو اس نے کہا کہ حضور چوک میں دو اونٹ لڑ رہے تھے۔ راستہ بند ہو گیا تھا۔ راہ گیر رک کے رہ گئے۔ فرمایا تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ جنگ جمل کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

مرزا دبیر مرحوم نے ایک بے نقط مرثیہ لکھا۔ لوگوں نے میر صاحب سے بیان کیا کہ سارے مرثیہ میں کہیں نقطہ نہیں آیا۔ ہنس کر فرمایا (تو یہ کہئے سر تا پا مہمل ہے)

میر انیس نواب تہور جنگ کے اصرار و سعی بلیغ سے حیدرآباد تشریف لے گئے۔ کسل راہ کی وجہ سے پہلے دن مجلس نہ پڑھ سکے۔ نواب تہور جنگ نے عرض کیا کہ حضور صرف ایک رباعی پڑھ دیں پھر آئندہ مجلس میں مرثیہ پڑھیں۔ میر صاحب نے یہ رباعی اُن کے اصرار سے پڑھی جو اسی وقت موزوں فرمائی۔ **رباعی**

اللہ و رسول حق کی امداد رہے　　سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
نواب ایسا رئیس اعظم ایسے　　یارب آباد حیدرآباد رہے

میر انیس نے مرض الموت میں جب سانس بڑھ چکی تھی۔ یہ رباعی کہی۔ **رباعی**

آخر ہے حیات کوچ کرتا ہوں میں　　رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لو لگی ہے میری　　اوپر کے دم اسواسطے بھرتا ہوں میں

اور وہاں کے شعرا کا ذکر آیا تو فرمایا کہ ذوق شاہی دربار کے شاعر اور مومن اپنی طبیعت کے بادشاہ ہیں۔ البتہ مرزا غالب یگانۂ فن ہیں۔ پھر فرمایا کہ مرزا صاحب کا کچھ کلام پڑھئے۔ انھوں نے یہ غزل پڑھی

ع بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے

پھر اپنی غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ تھا۔ شعر

دنیا میں مجھے خاک اڑانے نے ڈبویا ہر بار نکل آتا ہے دریا مرے آگے

سالک نے جب مرزا صاحب کا یہ شعر پڑھا تھا۔ تو میر صاحب نے فرمایا کہ لکھنؤ میں اب تو کے ہے کھینچے ہے نہیں بولتے۔ مگر میں تو لکھتا ہوں۔ مرزا غالب کا وہ شعر یہ تھا۔ شعر

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

ایک دفعہ کسی مشاعرے کا ذکر آیا کہ لوگوں نے خوب خوب شعر کہے۔ میر صاحب نے دریافت فرمایا کہ کیا طرح تھی۔ کہا گیا۔ دردمند ہے۔ پسند ہے۔ فرمایا کہ اس طرح میں کسی زمانے میں جب غزل کہتے تھے ہم نے بھی کچھ شعر لکھے تھے۔ اس پر حاضرین نے بہت اشتیاق ظاہر کیا کہ کوئی شعر یاد کر کے ارشاد فرمائیے دیر تک سوچ کر فرمایا کہ صرف ایک مطلع یاد آیا اور کوئی شعر یاد نہیں رہا وہ مطلع یہ ہے۔ مطلع

دل لے لیا ہے یار نے مٹھی میں بند ہے کھلتا نہیں پسند ہے یا ناپسند ہے

ایک دن میر انیس اپنے والد میر خلیق مرحوم کے ساتھ شیخ ناسخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میر انیس کا ابتدائی زمانہ تھا۔ شیخ نے میر خلیق سے پوچھا کہ یہ صاحبزادے بھی کچھ کہتے ہیں۔ میر خلیق نے کہا کہ ہاں کبھی کبھی کچھ کہہ لیتا ہے۔ شیخ نے کہا کہ میاں صاحبزادے کچھ اپنا کلام سناؤ۔ میر انیس لحاظ سے چپ تھے۔ باپ نے اصرار کیا تو یہ مطلع پڑھا۔ مطلع

کھلا باعث یہ اس بیدرد کے آنسو نکلنے کا دھواں لگتا ہے آنکھوں میں کسی کے دل کے جلنے کا

شیخ صاحب نے بہت تعریف کی اور میر خلیق سے فرمایا کہ آپ کا یہ فرزند فخر خاندان ہوگا۔ پھر یہ پوچھا کہ ان کا تخلص کیا ہے۔ جواب دیا کہ حزیں۔ فرمایا کہ تخلص کچھ اور ہو تو اچھا۔ شیخ صاحب نے سوچ کر فرمایا کہ انیس پیارا معلوم ہوتا ہے۔ اُس دن سے انیس ہو گئے۔

ایک دفعہ میر ضمیر مرحوم کے یہاں مجلس میں میر انیس نے یہ مرثیہ پڑھا۔ مرثیہ

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی

کہ صاحب وہ شعر تو گویا سید محمد اکبر صاحب کی زبان سے مین نے کہدیا تھا۔ مین خود آپ سے کسی صلہ کا خواہان نہ تھا۔ آغائی صاحب نے بہت اصرار کیا۔ مگر میر صاحب نے روپے ہرگز نہ لیے اور سید محمد اکبر صاحب کو بلاکر وہ شعر سلام مین سے نکال دیا اور دوسرا مقطع لگا دیا۔

نوٹ

ایک شاہی مجلس مین مرزا دبیر اور میر انیس بھی تھے۔ پہلے مرزا صاحب نے منبر پر جاتے ہی بادشاہ کی مدح مین ایک رباعی پڑھی۔ بہت تعریف کی گئی۔ مگر جب میر انیس منبر پر گئے تو انھون نے ایک سلام پڑھا جس کا مطلع یہ تھا ؎

غیر کی مدح کرون شہ کا ثناخوان ہوکر مجرئی اپنی ہوا کھوؤن سلیمان ہوکر

ایک دفعہ میر انیس مرحوم جونپور تشریف لے گئے۔ بعد مجلس موزون طبع حضرات نے آپس مین میر صاحب کے کلام پر گفتگو شروع کی اکثر نے کہا کہ یہ ضرور ہے کہ میر صاحب کا کلام بوجہ مشق کے اس مرتبہ کو پہونچ گیا ہے لیکن اگر فکر کی جائے تو ایسا کلام ہم بھی کہہ سکتے ہین۔ یہ کوئی مشکل کام نہین۔ کسی نے یہ گفتگو میر صاحب کے کانون تک پہونچا دی کہ بعض حضرات جونپور ایسا ایسا کہتے ہین۔ میر صاحب نے ایک ناتمام زیر تصنیف مرثیے کے بند کے چار مصرعے جو حضرت امام حسینؑ کے ثبات قدم کی تعریف مین تھے لکھوا کر دیے کہ اگر زندگی ہے تو اگلے سال ممکن ہے کہ پھر انیس یہان آئے۔ وہ حضرات ان چارون مصرعون کے بعد کی بیت لکھ رکھین۔ چارون مصرعے یہ تھے ؎

گھر کا خدا کے رکن رکین ہے کہان ہٹے نقش اس قدم کا نقش ونگین ہے کہان ہٹے
یہ لنگر سفینۂ دین ہے کہان ہٹے یہ قطب آسمان وزمین ہے کہان ہٹے

اگلے سال دریافت کیا گیا تو بعض نے تو عذر کیا کہ واقعًا اس رتبے کی بیت نہین کہہ سکے بعض نے دو ایک بیتین لگائین مگر کچھ نہ تھین۔ مجمع سخن شناسون کا تھا سب نے اصرار کیا کہ اب حضور اپنی بیت ارشاد فرمائین کہ مقابلہ کیا جا سکے آپ نے یہ بیت پڑھی **بیت**

زور اس سے آسمان کا چلتا نہین کبھی نقطہ ہے دائرے سے نکلتا نہین کبھی

سب نے متفق اللفظ کہا کہ اس شان کی بیت ہمارے امکان سے باہر تھی۔

میر قربان علی سالک دہلوی ایک دفعہ لکھنؤ گئے تو میر انیس کی خدمت مین بھی حاضر ہوے۔ دتی

ہر شاخ مین ہے شگوفہ کاری ثمرہ ہے قلم کا حمد باری

فردوسی ہند میر انیس

جان عالم واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ نے ایک مجلس کی اور میر انیس کو پڑھنے کے لیے حکم ہوا میر صاحب نے منبر پر پہونچکر کوئی رباعی پڑھی جس پر حاضرین نے تعریفین کین جب غل موقوف ہوا تو شاہ موصوف نے بھی داد دی۔ میر صاحب نے تسلیمین بجا لاکر فوراً دوسری رباعی پڑھی

رباعی نافہم سے کب داد سخن لیتا ہون دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہون

دونون مصرعون کو سن کر مجلس مین سناٹا ہو گیا۔ کہ غضب کر دیا۔ بادشاہ کو نافہم کہا۔ لیکن جب تیسرا مصرع پڑھکر چوتھا مصرع پڑھا۔ اور پھول کا اشارہ سلطان عالم کی طرف کیا تو مجلس مین وہ شور تحسین بلند ہوا کہ صدائے بازگشت سنگین دیوارون سے بھی آنے لگی اور سلطان عالم بھی بہت خوش ہوے وہ مصرعے یہ تھے ؎

چھپتی نہین بوئے گل بے خار انیس کانٹون کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہون

ایک دفعہ بعد مجلس تقسیم کے لیے شیرمالون کے خوان لائے جا رہے تھے۔ صحن مین حوض بھرا ہوا تھا اتفاقاً خوان مع شیرمالون کے اُسمین گر گئے۔ میر صاحب تشریف رکھتے تھے۔ فرمایا "لیجیے سب آبی ہو گئین"

سید محمد اکبر صاحب سوزخوان میر صاحب کا کلام پڑھا کرتے تھے۔ اور لکھنؤ کے مشہور رئیس آغائی صاحب مرحوم کے یہان مجالس مین سوزخوانی کرتے تھے۔ ایک دفعہ سوزخوان موصوف نے میر انیس صاحب سے تازہ سلام اپنے پڑھنے کے لیے کہلایا ؎

زبان پر مدح ہے باغ علی کے نونہالون کی

میر صاحب نے سلام مذکور مین ایک شعر یہ بھی لکھا کہ شعر

خدا آباد رکھے اے انیس آغائی صاحب کو ہمیشہ قدر کرتے رہتے ہین صاحب کمالون کی

سید محمد اکبر صاحب نے جب یہ سلام اور خصوص شعر مذکور پڑھا تو شور تحسین بلند ہوا۔ آغائی صاحب نے یا تو میر انیس صاحب کا حسن طلب سمجھا۔ خواہ خود ہی صلۂ مدح سمجھکر اگلے دن ایک ہزار روپے میر انیس کو بھجا کر نذر کرنا چاہا۔ میر انیس کی طبع نازک کو برداشت کہان تھی۔ بہت چین بجبین ہوے اور فرمایا

صورت حرام سے کھٹے - اسکے بعد صفیر صاحب نے اپنے لائے آم بھیجے - جو بہت عمدہ اور شیرین تھے - وہان سے فوراً آدمی آیا اور ایک رباعی لایا جس کا مصرعۂ آخر یہ تھا مصرع

کھانا نہ انھین کہ یہ پرائے ہین آم +

اور سب آم منگا لیے -

ایک دن مرزا صاحب کے احباب مین سے کسی نے صفیر صاحب کی بابت پوچھا کہ یہ کیا مذہب رکھتے ہین - مرزا صاحب نے صفیر صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ منّا - اور صفیر صاحب کے ماموں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا - منہم -

ایک دفعہ صفیر صاحب کو مرزا صاحب نے خط کے آغاز مین لکھا کہ اس نسبت اخص کہ آپ میرے خداوندکی اولاد مین سے ہین - بندگی

مین قائل خدا و نبی و امام ہون ۔ بندہ خدا کا اور علی کا غلام ہون

صفیر صاحب کے فارسی کلام پر مرزا صاحب کی اصلاحین

صفیر — صباحی کہ مستے زے اندا اہل ہوش ۔ بدنبال او خور صبوحی بدوش

غالب — ” ” ” ۔ بدنبال او خر صبوحی فروش

صفیر — چہ ابرے کہ از وے شب لف ماہ ۔ زصبح بناگوش شد پردہ خواہ

غالب — چو ابرے کز و روز گیسو سیاہ ۔ زصبح بناگوش شد باج خواہ

صفیر — نوید ہم او در ہمان مثنوی ۔ بہنجار جادو بیانِ قوی

غالب — ” ” ” ۔ نبانش پر از منطق پہلوی

صفیر — بلند شد شب ہجران چو شعلۂ آہم ۔ چراغ ماہ خمش کشتہ بود بر گردم

غالب — ” ” ” ۔ چراغ مہ بفلک مردہ بود بر گردم[عہ]

پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی

کہتے ہین کہ کسی نے نسیم سے پوچھا کہ تم نے ہندو ہو کر حمد و نعت لکھی اپنے دیوان مین کا نام تک نہ لیا جواب دیا کہ مین نے تو اول ہر کا نام لیا ہے —

[عہ] مرزا صاحب کی تعریف میں کہا تھا.

لگے۔ مولانا فیض نے کہا کہ مرزا صاحب دلّی مین گدھے بہت ہین۔ مرزا صاحب نے بیساختہ فرمایا کہ "نہین میان باہر سے آجاتے ہین" مولانا جھینپ کر چپ ہو رہے۔

ایک دفعہ مفتی صدرالدین آزردہ مرزا صاحب سے کچھ کشیدہ تھے۔ بہت دنون ملاقات کو نہ آئے مرزا صاحب نے اتفاق سے دعوت احباب کی اور رقعے بھیجے۔ مفتی صاحب کو بھی رقعہ بھیجا لیکن احتیاطاً پھر خود بھی گئے۔ مفتی صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب آپ نے رقعہ تو بھیج دیا تھا پھر کس لیے تکلیف کی۔ مرزا صاحب نے فرمایا "اس لیے کہ آپ آزردہ ہین"

کسی نے مرزا صاحب کے سامنے اُن کا یہ مصرع پڑھا ع یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا ۔ فرمایا۔ کیون مصرعے کا ناس کرتے ہو یون پڑھو ع یہ خلش کہان سے ہوتے جو جگر کے پار ہوتا

نوٹ

اُس وقت خلش کو مذکر بولتے تھے۔ ذوق و آتش نے بھی مذکر کہا ہے۔ مؤلف

حضرت زاہد سہارنپوری کے جدامجد حاجی سید اکبر علی صاحب مرحوم المتخلص بہ بلیغ۔ جو مرزا فصیح اکبرآبادی سے سلام و مرثیہ مین تلمّذ رکھتے تھے۔ اور بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے معتمد خاص و وکیل تھے اور لارڈ لیک بہادر کے میر منشی بھی رہے۔ مرزا صاحب کے پاس اکثر آتے جاتے تھے۔ ایک دن مرزا صاحب سے کسی منقبت و نعتیہ نظم تازہ کی درخواست کی مرزا صاحب نے فوراً اپنا یہ قصیدہ پیش کیا ؎

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہین الخ

اور فرمایا کہ تازہ ترین تصنیف تو اس وقت تو یہ ہے آپ کو دیدیتا مگر میرے پاس اسکی نقل نہین حاجی صاحب موصوف نے کہا کہ اگر اعتماد ہو دیدیجیے۔ بعد نقل واپس کردونگا۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ یہ کیا فرمایا۔ ایک تو آپ سادات اور مین سادات کا غلام۔ دوسرے حاجی وزائر اور پھر شاہ کے معتمد خاص آپ پر اعتماد نہ کرون تو دیوانہ کہلاؤن۔ یہ کہکر قصیدۂ مذکور دیدیا۔ جو حاجی صاحب نے بعد نقل اگلے دن واپس کردیا۔

حقیر بلگرامی تلمّذ کے لیے جب مرزا صاحب کے پاس دلّی گئے تو بہت سے آم بھی ساتھ لیتے گئے کیونکہ سن چکے تھے کہ مرزا صاحب کو آمون سے بہت رغبت ہے۔ چونکہ مرزا صاحب کے مہمان تھے اس لیے علاوہ اور کھانون کے مرزا صاحب کے یہان سے دسترخوان پر آم بھی آئے۔ آم کھائے تو

ایک دن مرزا غالب فتح الملک بہادر سے ملنے گئے۔ جب غلام گردش میں پہونچے تو چوبدار نے صاحب عالم کو اطلاع کی کہ مرزا نوشہ صاحب تشریف لائے ہیں وہ کسی کام میں تھے فوراً بلا نہ سکے مرزا غالب وہیں انتظار میں ٹہلتے رہے۔ صاحب عالم نے کچھ دیر کے بعد چوبدار سے پکار کر فرمایا کہ ارے دیکھ تو مرزا صاحب کہاں ہیں۔ مرزا غالب نے وہیں سے جواب دیا کہ "غلام گردش میں ہے" صاحب عالم ہنستے ہوئے نکل آئے اور ساتھ لیگئے۔

ایک دفعہ بعد غدر حضرت زاہد کے والد مرحوم سید علی حسین صاحب المتخلص بہ علی تلمیذ ملک الشعرا مولوی ذکی اور حاجی وزارت سید احسان علی صاحب وکیل سرکار اور حکیم سید مظفر حسین صاحب مظفر عمائد سہارنپور دلی میں مرزا صاحب سے ملنے کے لیے گئے۔ مرزا صاحب اُس وقت چلم کی آگ کرید رہے تھے۔ یہ بزرگ صاحب سلامت کرکے ابھی بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اور عرض کیا کہ میرا اور میرے باپ کا کیمیائی سجع کہہ دیجیے مرزا صاحب کو حضرات موجودین سے باتیں کرنے کی جلدی تھی۔ اس لیے اُسکو ٹالنا چاہا۔ مگر اُس نے بے حد الحاح و اصرار کیا تب آپ نے فرمایا کہ اچھا نام بتاؤ اُس نے کہا کہ میرا نام غلام قنبر باپ کا نام غلام حیدر آپ نے فوراً فرمایا سجع

من غلام قنبرم قنبر غلام حیدر است

پھر باتوں میں مصروف ہوگئے۔ حکیم مظفر حسین صاحب تسبیح لیے گھمارہے تھے۔ آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے بھی جاتے تھے کہ اتفاق سے مرزا صاحب کی بلی آکر تسبیح سے کھلاڑیاں کرنے لگی۔ حکیم صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب دیکھیے آپ کی بلی کو ادھر رغبت ہے مگر آپ کو نہیں مرزا صاحب نے فوراً جواب دیا کہ "بدذات مزوّر ہے" حکیم صاحب بہت ہنسے۔ پھر حکیم صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب۔ آپنے اپنی گران گوشی کا کچھ علاج نہ کیا۔ فرمایا ہاں دو وجہوں سے ایک تو یہ کہ جیتے جی دنیا میں بہشتی بن گیا۔ دوسرے مرنے کے بعد جب نکیرین سوال کریں گے مَن ربُّکَ مَن نبیُّکَ تو عذر گران گوشی ہاں ہوں۔ کیا کیا کہکر ٹال دونگا۔ اور اسطرح سہل چھٹکارا ہو جائیگا۔"

ایک دفعہ میرزا صاحب کسی دعوت یا مشاعرے سے واپس آرہے تھے۔ رات زیادہ آگئی تھی مولانا فیض الحسن فیض سہارنپوری بھی ہمراہ تھے۔ ایک تنگ گلی سے ہو کر گذرے۔ ایک گدھا کھڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے راستہ رکا ہوا تھا۔ مرزا صاحب کے ہاتھ میں جریب تھی اُس سے گدھے کو ہنکانے

گورے بنڈے پر نہ کر انکے نظر | کھینچ لیتے ہین یہ ڈورے ڈال کر
اب تو ملجائیگی تیری ان سے سانٹھ | لیکن آخر کو پڑیگی ایسی گانٹھ
سخت مشکل ہوگا سلجھانا تجھے | قہر ہے دل ان سے الجھانا تجھے
یہ جو محفل مین بڑھاتے ہین تجھے | بھول مت اسپر اُڑاتے ہین تجھے
ایک دن تجھکو لڑا دین گے کہین | مفت مین ناحق کٹا دینگے کہین
دل نے سن کر کانپ کر کھا پیچ و تاب | غوطے مین جاکر دیا کٹ کر جواب

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

ملا طاہر غنی کشمیری نے بھی اس بیت کو تضمین کیا ہے - اور خوب کہا ہے تضمین

ہندوے دیدم کہ مست عشق بود | گفتمش زین جستجویت چیست سود
در جوابم گفت آن زنّار دار | نیست در دستم عنانِ اختیار

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

حضرت زاہد سہارنپوری نے بھی کسی زمانے مین اسی بیت کو تضمین کیا تھا جو اس موقع پر قابل دید ہے
تضمین
جب مدینے مین نہ پایا کچھ بھی چین | گھر کو چھوڑا آئے مکے مین حسینؑ
وہان بھی ہونے لگے گھات مین اہل نفاق | تب کیا قصد آپ نے سوے عراق
یہ خیال آیا کہ ہو کر قتل عام | ہو نہ ضائع حرمت بیت الحرام
الغرض گذرے سفر مین پانچ ماہ | بستیون مین تھی نہ جنگل مین پناہ
یون رہے کوہ و بیابان مین روان | آج اس منزل پہ ٹھہرے کل وہان
پوچھا رستے مین زاہد جب کوئی | ہے کدھر کا قصد اے سبط نبی
آپ فرماتے تھے جاتا ہون اُدھر | حق تعالے کی مشیت ہے جدھر

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

بیحد پسند فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اس مضمون کو ذوق نے ختم کر دیا۔ مین نے حزین کا یہ شعر پڑھا۔

برمزار ما غریبان نے چراغے نے گلے — نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

پھر امیر اللہ تسلیم لکھنوی کا یہ شعر پڑھا **شعر**

پھول خشک افسردہ سبزہ شمع چپ بالین اداس — جی بھر آیا عالم گور غریبان دیکھکر

کہنے لگے کہ اس مین شک نہین کہ ان اشعار مین گور غریبان کی اداسی و بے کسی کی تصویر دکھائی گئی ہے۔ مگر ذوق نے تو قیامت یہ کی ہے۔ کہتا ہے کہ سیرے بالین مزار مجاور بھی ہے اور زیارت کرنے والے بھی موجود ہین۔ مگر ہائے کون مجاور ہے! شمع۔ اور زیارت کرنیوالے کون ہین۔ پروانے اس ندرت خیال کی کیا تعریف ہو سبحان اللہ۔

مرزا غالب

مرزا غالب کو بچپن مین پتنگ اڑانے کا بہت شوق تھا۔ اکبر آباد مین انکی پتنگ بازی کا شہرہ تھا اسی زمانے مین مرزا نے پتنگ کے تلازمے مین کسی کے فارسی شعر مندرجۂ ذیل پر بطور ترکیب بند شعر لکھے تھے **شعر**

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست — می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

لیکن وہ ترکیب بند کسی نے نقل نہین کیا۔ نہ غالبًا کسی کو ملا۔ حضرت زاہد کے جد مرحوم حاجی وزارت سید اکبر علی صاحب بلیغ ابو ظفر شاہ آخر دہلی کے معتمد و وکیل تھے اور شاہ کی پنشن کا مقدمہ جو کمپنی سے لڑا اس مین اول سے آخر تک وکیل شاہی کی حیثیت سے اس زمانے مین برابر اکبر آباد مین عدالت العالیہ ہونے کی وجہ سے آتے جاتے رہتے تھے۔ خود بھی ذی علم اور اچھے شاعر تھے۔ ان کی بیاض مین یہ ترکیب بند لکھا ہوا ملا۔ جو دلدادگان کلام غالب کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اگرچہ بچپن کی زبان ہے۔

ترکیب بند

ایک دن مثل پتنگ کاغذی — لیکے دل سر رشتۂ آزادگی
خود بخود کچھ ہم سے کنیانے لگا — اس قدر بگڑا کہ سر کھانے لگا
مین کہا اے دل ہوائے دلبران — بسکہ تیرے حق مین کہتی ہے زبان
پیچ مین ان کے نہ آنا زینہار — یہ نہین ہیگے کسو کے یار غار

شان استادی کی نسبت کیا راے رکھتے ہین - جنھون نے فرمایا ہے **شعر**

عطر گلاب مل کر حلقے مین یار بیٹھا　　　بلبل پکڑنے آئے صیاد انجمن مین

نوٹ

گلاب مین اضافت ہرگز ناجایز نہین ہے - خاکسار مؤلف نے "مشاطۂ سخن" مین شیخ ناسخ کی زبان سے یہ فقرہ لکھا تھا کہ "جب گلاب ہندی ہے تو اضافت کیسی" خواجہ آتش پر کیا منحصر ہے - اکثر اساتذۂ عجم نے بھی گلاب کو اضافت کے ساتھ لکھا ہے - خواجہ حافظ کا یہ شعر ملاحظہ ہو **شعر**

در کار گلاب و گل حکمِ ازلی این بود　　　کان شاہد بازاری وین پردہ نشین باشد

(مولف)

شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی

محرم کا زمانہ تھا ایک صاحب نے سرِ راہ سبیل رکھی تھی جو جناب ذوق کے بھی ملنے والے تھے اتفاق سے استاد ذوق بھی اُدھر سے گذرے - انھون نے بلا کر بڑی خاطر و مدارات کی اور ایک یہ مصرع

ع تبرّاً اگر اسے پی لو یہ نذر حضرت ہے

جو نہایت جلی قلم سے لکھا ہوا دیوارِ مکانِ سبیل پر آویزان تھا - استاد ذوق کو دکھایا - اور پوچھا کہ یہ مصرع صحیح ہے - ذوق نے فرمایا کہ غلطی تو کوئی نہین - مگر یہ نذر و نیاز کی چیز ہے - اگر یہ مصرع یون ہو تو اور بہتر ہے **مصرع** تبرکاً اسے پی لو یہ نذر حضرت ہے +

یہ بھی فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ ذوق سنّی ہے - اس لیے ایسا کہتا ہے انھون نے فوراً حسب ہدایت تبدیل کر دیا - (مرسلۂ حضرت نفیس بنگلوری)

استاد ذوق کے مخالفین نے جب انکو برا بھلا کہنا شروع کیا - اور ہر طرف سے ان پر چوٹین ہونے لگین تو ان سب کا جواب ایک رباعی مین دیدیا - وہ رباعی یہ ہے - **رباعی**

تو بھلا ہے تو برا ہو نہین سکتا اے ذوق　　　ہے برا وہی کہ جو تجھکو برا جانتا ہے

اور جو خود تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے　　　کیون برا کہنے سے اُسکے تو برا مانتا ہے

ہمارے نکتہ سنج اور سخن فہم دوست نواب اصغر علی عرف لڈن صاحب استاد ذوق کے اس شعر کو

شعر نہین جز شمع مجاور مرے بالینِ مزار　　　نہین جز کثرتِ پروانہ زیارت والے

ہم خوب میدانند - بندہ نمی دانست ۔ (از حضرت خبیر لکھنوی)

فتح الدولہ بہادر برق ایک دن اپنے استاد شیخ ناسخ کی خدمت مین حاضر ہوے - یہ وہ زمانہ کہ جب برق مرحوم کا کلام اصلاح سے مستغنی ہو چکا تھا - اور ان کی استادی کے ڈنکے لکھنؤ مین بج رہے تھے - استاد نے پوچھا کہ آج کل کوئی نئی غزل کہی - برق نے کہا جی ہان - کل شب کو ایک مشاعرے مین - مزار مین، بہار مین، اس طرح مین ایک غزل پڑھی تھی - جس کا ایک شعر مشاعرے مین بہت پسند کیا گیا - اور اہل بزم نے بے انتہا داد دی - شیخ صاحب نے کہا بھئی ہمین بھی سناؤ - برق نے نہایت فخر کے ساتھ یہ شعر پڑھا شعر

اُس گل نے ایک رات جو پہنا تو بس گیا ۔ بوے گلاب آتی ہے موتی کے ہار مین

شیخ صاحب سن کر چپ ہو گئے برق کا دل تڑپ اُٹھا - کہنے لگے کیا حضرت اسمین کوئی نقص ہے فرمایا ہان بھئی یہی سوچ رہا ہون - اول تو گلاب کے لغوی معنی عرق گل کے ہین - دوسرے گلاب کے پھولون کا ہار سواے اُن لوگون کے جو کسی مندر یا مٹھ کے پوجاری ہون کسی اور کو پہنتے نہین دیکھا کوئی شریف مرد آدمی گلاب کے پھولون کا ہار نہین پہنتا - ان اعتراضون کے بعد فرمایا سامنے کی بات دوسرے مصرع کو یون بنا دو مصرع بو موتیے کی آتی ہے موتی کے ہار مین +

اللہ اللہ کیا اصلاح دی - موتی اور موتیے سے جو مناسبت ہے ظاہر ہے - بقول ناسخ مرحوم جب گلاب ہندی ہے تو مصرع ثانی مین اضافت کیسی - (مشاطۂ سخن حصۂ اول)

رسالہ ۱ردو اورنگ آباد دکن بابت ماہ جولائی مین - ایک مضمون گل - گلاب کی سرخی سے حضرت کیفی کا ابھی حال ہی مین شایع ہوا ہے - جس مین اس اصلاح کا ذکر کرتے ہوے صاحب مضمون نے یہ فقرے تحریر فرمائے ہین - "ممکن ہے کہ شیخ مرحوم نے اصلاح کے وجوہ بیان کرتے ہوے یہ بھی فرما دیا ہو کہ ایران والے اس معنی مین گلاب کا لفظ استعمال نہین کرتے - بیشک ایران مین گلاب ایک خاص پھول کے معنی مین عام طور پر استعمال نہین ہوتا - لیکن یہ کوئی وجہ نہین ہو سکتی کہ اسے اضافت کے تعلق سے محروم کیا جائے - جب ہندوستان مین جھروکہ - درشن - ایسی ترکیبین ثقات کی گفتگو اور تحریر مین داخل ہو گئین -

وہ لوگ جو گلاب کے ساتھ اضافت فارسی کا رشتہ قایم کرنا ننگ ادب سمجھتے ہین - خواجہ آتش مغفور کی

تحریر فرماتے ہین۔ کہ یہ بھی جگت استاد تھے۔ اہل دہلی انھین حافظ جیو کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ زمانے کی آنکھین دیکھے ہوے تھے۔ اور شاہ نصیر سے ٹکر لڑا چکے تھے۔ مصرعے پر مصرع لگانے مین کمال تھا۔ اور مسند ایسے تڑاخ سے دیتے تھے کہ معترض منہ دیکھتے رہجاتے تھے۔ ایک روز بادشاہ سلامت نے مصرع کہا ع صبح بھی بوسہ تو دیتا نہ مجھے اے ماہ نہین

انھون نے فوراً عرض کی مصرع نامناسب ہے میان وقت سحرگاہ نہین +

کسی نے "وقت سحرگاہ" کی ترکیب پر اعتراض کیا۔ انھون نے جھٹ صائب کا یہ شعر پڑھا شعر

آدمی پیر چو شد حرص جوان مے گردد　　خواب در وقت سحرگاہ گران می گردد

اور معترض صاحب اپنا سا منہ لیکر رہ گئے۔　　(از اردوٹائپ ماہ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

شاہ نصیر دہلوی

حافظ عبدالرحمن احسان دہلوی بڑے دبلے پتلے آدمی تھے۔ رنگ بہت کالا تھا۔ شاہ نصیر نے اسی رنگ کا خاکہ اس طرح اڑایا ہے شعر

اے خال رخ یار تجھے ٹھیک بناتا　　پر چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

(از رسالہ اردو اورنگ آباد دکن بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

شیخ امام بخش ناسخ

نواب اصغر علی خان اعجاز مرحوم نبیرۂ نواب شجاع الدولہ بہادر خلد آشیان جو جناب خبیر لکھنوی کے بزرگون مین تھے۔ آپ نے حضرت زینب کے صاحبزادون کے حال مین مرثیہ کہا۔ ایک مین ٹیپ کا شعر یہ تھا شعر

کہا کچھ عذر نہ باقی رہا ہوا مین تباہ　　چلے ہین شام کی بدلی مین میرے غیرت ماہ

چونکہ پہلے مصرع مین عین گرتا تھا۔ اس لیے پہلا مصرع یون بنایا

مصرع کہا کہ عذر نہ باقی رہا ہوا مین تباہ

اس اصلاح کے بعد اپنے قلم سے حاشیہ پر یہ فقرے لکھے کہ سبحان اللہ جناب مصرعہ ناموزون فرمودن

ایک دفعہ خواجہ آتش کہین جارہے تھے۔ کسی نے پوچھا خواجہ صاحب کدھر کا قصد کیا فرمایا آج مُرغ لڑینگے وہان جارہا ہون۔ اُس نے کہا کہ مُرغ لڑینگے یا مُرَغ۔ فرمایا لکھنے کی پالی مین تو مُرغ ہی ہوتے ہین۔ زبانون پر مُرَغ ہی ہے۔

ایک دفعہ خواجہ صاحب کی زبان سے کسی نے گُلعذار کا لفظ سن کر کہا کہ خواجہ صاحب عذار کبسر عین ہے فرمایا کہ مخرج عین تو فارسی والے ادا کرسکتے ہین۔ اردو مین تو عین والف کی ایک ہی آواز ہے۔ اگر کسی تعلیم یوں سے کہا جائے کہ عذار کھولو تو وہ یہی سمجھیگا کہ یہ کہا ہے کہ آزار کھولو۔ اس لیے اس التباس سے بچنے کے لیے عذار کے عین کو اردو مین مضموم ہی بولنا مستحسن ہے مذموم نہین جیسے فلاَن کی نے مفتوح ہے مگر فحش معنے سے بچنے کے لیے مضموم بولنا فصیح ہے۔

ذوق کی یہ غزل سے کب حق پرست زاہد جنت پرست ہے + جب لکھنؤ پہونچی تو یہی طرح دی گئی۔ پنڈت نسیم نے جب اپنا مقطع پڑھا **مقطع**

ہون معتقد جو آتش ہندی کا اے نسیم کہتے ہین پارسی کہ یہ آتش پرست ہے

تو کسی نے پکار کر فوراً کہا ع آتش کو کہتے ہین کہ برہمن پرست ہے + جو لوگ استاد و شاگرد کے تعلقات سے واقف تھے منہ پھیر پھیر کر ہنسنے لگے۔ اور نسیم کے منہ پر تو ہوائیان چھوٹنے لگین۔

منشی مظفر علی اسیر نے بعد مصحفی جب خواجہ آتش کے سامنے یہ شعر پڑھا۔ **شعر**

وہ زار ہون کہ ہوا چشم مور مین مدفون کمال تنگ ملا گوشۂ مزار مجھے

تو سن کر کسی قدر تامل کیا اور کہا پھر پڑھیے۔ اسیر نے جب دوبارہ پڑھا فرمایا دوسرا مصرع یون بنا دیجیے

ع بہت فراخ ملا گوشۂ مزار مجھے +

نوٹ اس اصلاح سے شعر مین معنوی خوبیان کس قدر بڑھ گئین مزار کا مفہوم اب ادا ہوا۔ اس کے علاوہ ذرا لہجہ بدل کر مصرعۂ ثانی کو پڑھیے تو یہ بھی لطف پیدا ہوتا ہے کہ قائل طعن سے کہہ رہا ہے۔ کہ۔ بہت فراخ ملا گوشۂ مزار مجھے +۔ سبحان اللہ (مؤلف) (عطیہ حضرت زاہد)

حافظ عبدالرحمن احسان دہلوی

شاہ عالم بادشاہ غازی نوراللہ مرقدہ کے درباری شاعر تھے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ۔ بی۔ اے۔ دہلی

خواجۂ آتش

ایک دفعہ الہ آباد مین ایک معرکۃ الآرا مشاعرہ تھا۔ شیخ ناسخ اور خواجہ آتش۔ اور دونون کے شاگردون کا ہجوم تھا۔ شیخ ناسخ نے طرحی غزل مین جب یہ شعر پڑھا **شعر**

دم خانہ بر زمین ہے مدد اے جوش جنون ۔۔۔ آشنا چاک گریبان کفن بھول گئے

تو شیخ صاحب کے شاگردون نے مشاعرے کو سر پر اُٹھا لیا اور کہنے لگے کہ یہ قافیہ شیخ صاحب کا حصہ ہو چکا ہے دوسرا نہین کہہ سکتا۔ اس فقرے پر خواجۂ آتش بھڑک اُٹھے اور فوراً اپنے شاگرد خاص مرزا اعظم علی اعظم کو جو سر مشاعرہ تھے۔ یہ شعر کہکر دیا۔ آخر مین جب شمع سامنے آئی تو اعظم نے پڑھا اور رنگ مشاعرہ کو بدل دیا۔ اور شیخ صاحب اور اون کے شاگردون پر اوس پڑ گئی۔ **شعر**

یاد انجام کسے عالم اسباب مین ہے ۔۔۔ جامہ زیبی پہ اکڑتے تھے کفن بھول گئے

اس موقع پر مجھے اپنا ایک مطلع یاد آگیا۔ نذر ناظرین ہے۔

عہد پیری مین وہ انداز سخن بھول گئے ۔۔۔ اے جوانی ترا بیساختہ پن بھول گئے

الہ آباد ہی مین ایک مرتبہ آتش کی غزل کی طرح دی گئی۔ جسکا ایک شعر یہ ہے۔ **شعر**

عطر گلاب مل کر حلقے مین یار بیٹھا ۔۔۔ بلبل پکڑنے آئے صیاد انجمن مین

مرزا اعظم نے اپنی غزل مین جا کر یہ شعر پڑھا۔ **شعر**

آتش کی یہ زمین ہے جل جائینگی زبانین ۔۔۔ آہو نہ چر سکین گے اس شیر نر کے بن مین

شیخ صاحب کے شاگردون نے بہت پیچ و تاب کھائے۔ مگر بانی مشاعرہ نے دونون گروہون کو ٹھنڈا کیا مرزا اعظم نے اپنے استاد کی غزل کو تضمین کیا۔ اور خواجہ صاحب کو پڑھکر سنائی۔ خواجہ نے مطلع کی تضمین کو سن کر شاگرد کی پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا کہ مطلع تو تھا ہی۔ تمہارے مصرعون نے اور چمکا دیا مخمس یہ تھا **مخمس**

مریض عشق کا ہے حال ابتر دیکھتے جاؤ ۔۔۔ بہت مشکل ہے ہونا اُسکا جانبر دیکھتے جاؤ
ذرا ٹھیرو کہ دم ہے اب لبون پر دیکھتے جاؤ ۔۔۔ نکلتی کس طرح ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ
ہمارے پاس سے جاؤ تو مڑکر دیکھتے جاؤ

تھے۔ جھٹ مجمع کے بیچ مین آکودے اور بڑی کرخت اور مہیب آواز سے چلّا کر کہا کہ "او کذاب مین نے کب منع کیا ہے" تمام مجمع ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ اور ولی صاحب کا تو رنگ فق ہو گیا۔ اور ایسے خفیف ہوے کہ اسی دن بھاگ نکلے۔ یہ واقعات نواب نے سنے تو خوب ہنسے اور سید انشا کو معقول انعام عطا فرمایا۔

ایک دن کسی آزاد فقیر نے سید انشا سے پوچھا کہ باوا آپ کا نام کیا ہے" جواب دیا انشاءاللہ پوچھا آپ کے والد کا کیا نام تھا۔ جواب دیا۔ ماشاءاللہ۔ پھر پوچھا کوئی صاحبزادہ ہے۔ جواب دیا نہین۔ پھر پوچھا کوئی صاحبزادی ہے۔ جواب دیا۔ ہے۔ پوچھا اُس کا نام کیا ہے۔ جواب دیا بسم اللہ۔ آزاد نے کہا کہ بابا اب کے لڑکی ہو تو اسکا نام فی سبیل اللہ رکھنا۔ سید انشا کو جواب نہ بن پڑا اور بہت جھینپے مگر پھر بھی اتنا کہہ گذرے کہ بہت اچھا رکھون گا۔

فایق شاعر نے جس کو اپنی شاعری پر بڑا گھمنڈ تھا اور سید انشا کے منہ آنے لگا تھا بلکہ ہجو بھی کہی تھی ایک دن اپنی کسی نظم مین لفظ ید کو مشدد نظم کیا۔ سید انشا نے اعتراض کیا تو بہت بگڑا۔ اور کہا ہم اہل زبان ہین تم کیا جانو۔ دوسرے ضرورت شعری کے لیے سب جایز ہے اور اساتذہ نے کہا بھی ہے مگر کوئی سند نہ لا سکا۔ اسپر سید انشا نے قطعۂ ذیل لکھکر اُسکے سامنے پڑھا اور خوب خاکا اُڑایا **قطعہ**

چہ خوش گفت فائق شاعر غرّا — کہ چون ذہن او ذہن رسا نہ باشد
یکے شعر نادر کہ در چند وزن — شوند خواندہ و تنگ معنے نہ باشد
دران لفظ ید را بدال مشدّد — نوشت ست واین غلط اصلا نباشد
شنید این سخن را جو گرد سخن — زانشا کہ ہمسرش حاشا نہ باشد
بگفتا کہ من شاعر خوش فکرم — چو من ہیچ مُغَلّ گویا نہ باشد
تو گلستان را ندانی دُرست — ترا ہیچ شعور و ذکا نہ باشد
سندیا از اُستاد ست مارا — بہ کلام ما ہیچ خطا نہ باشد

چو تشدید در شعر ضرورت اُفتد
تشدید صحیح چرا نہ باشد

بھڑک اوٹھین دل و جان جس سے جلد وہ شے لا — وہ آتشہ کوئی کھنچوا کے ساقیا مے لا

نوٹ

خاکسار مولف کی رائے مین اعتراض بھی صحیح ہے - اور انشاء کا مطلع بھی - جس نقطۂ نظر سے اعتراض کیا گیا ہے انشاء کا وہ مفہوم نہین ہے - معشوق سے نہین بلکہ ساقی میخانہ سے خطاب ہے - قائل کہتا ہے کہ میرے جگر مین آگ لگی ہوئی ہے - زرا شراب کی اصلاح کر کے مجھے دے - یعنی برف مین لگا کے صراحیِ مے لا - یہ مطلع عاشقانہ نہین رندانہ ہے - میر کہتے ہین **شعر**

تنک شراب ضعیف الدماغ ہون ساقی — دم سحر مئے پرزور مت پلا مجھکو

اب اس موقع پر مین خواجۂ حافظ علیہ الرحمۃ کے چند شعر لکھتا ہون کہ معشوق سے خطاب یون کیا جاتا ہے

زلف آشفتہ و خوی کردہ و خندان لب و مست — پیرہن چاک و غزلخوان و صراحی در دست
نرگسش عربدہ جوی و لبش افسوس کنان — نیم شب دوست ببالین من آمد بنشست
سر فرا گوش من آورد و بہ آواز حزین — گفت کای عاشق دیرینۂ من خوابت ہست
عاشقے را کہ چنین بادۂ شبگیر دہند — کافر عشق بود گر نہ بود بادہ پرست
برو اے زاہد و بر دردکشان خردہ مگیر — کہ ندادند جزین تحفہ بما روز الست
آنچہ او ریخت بہ پیمانۂ ما نوشیدیم — اگر از خمر بہشت است و گر از بادہ مست
خندۂ جام مے و زلف گرہ گیر نگار — اے بسا توبہ کہ چون توبۂ حافظ بشکست

ان اشعار مین جو ایک دوسرے سے متعلق ہین معشوق کی وہ تصویر کھینچی ہے کہ مانی و بہزاد بھی دیکھتے تو ہاتھ سے قلم رکھدیتے - سبحان اللہ یہ مسلسل اشعار ہین یا موتی کی لڑیان - (مؤلف)

نواب سعادت علی خان کے عہد مین ایک مکار درویش ولی بنکر آیا - ہزارون آدمی گرد رہنے لگے نواب کو خبر ہوئی تو حکم دیا کہ ہمارے قلمرو سے فوراً نکال دو - انشاء نے دست بستہ عرض کیا کہ اُس کو غلام نکالیگا چنانچہ اوپر نیچے بہت سے کپڑے پہنے - سر پر ایک تھان لپیٹا - سفید لمبی داڑھی لگائی - ایک لمبا اور بہت موٹا لٹھ لیا اور ولی صاحب کے کٹی کے پہلو مین چھپ کر جا کھڑے ہوے وہ خلاف شرع بیدینی کی باتین لوگون کو تلقین کر رہا تھا - وحی و الہام کا مدعی تھا - اتنے مین حاضرین مین سے کسی نے جانے کی اجازت مانگی - ولی صاحب نے جھڑکا کہ ابھی حکم خدا نہین وہ جانے کو منع کرتا ہے - سید انشاء موقعے کے منتظر

جرأت نے اسیر اعتراض کیا کہ گرفتاری سبب نالۂ و فریاد ہے - اور نالۂ و فریاد سبب شب بیداری مردمان - اور شب بیداری سبب ایذا - پھر عالم کو ایذا سے کیونکر نجات ملی - بلکہ اور ایذا مین گرفتار ہو گئے تو اُسے کچھ جواب نہ بن پڑا - اسیر اہل مشاعرہ نے ہنسی اڑائی - یہی وجہ ہوئی کہ نوا اور جرات مین چل گئی - نوا نے جرأت کی ہجو کہی - جسکا ایک شعر یہ ہے - **شعر**

رات کو کہنے لگا جورو کے منہ پر ہاتھ پھیر قدرت حق سے لگی ہے ہاتھ اندھے کے بٹیر

اس کے جواب مین جرأت نے ترجیع بند مخمس مین وہ ہجو کہی جو مشہور ہے جس کا ایک شعر بزم خیال مین بھی درج ہے - ہجو کے بندلول مین جو نکات لطیف ہین اُن کے سمجھنے اور لطف اُٹھانے کے لیے پہلے چند باتون کا جاننا ضروری ہے - وہ یہ کہ ظہور اللہ خان کا تخلص نوا تھا - دوسرے اُن کے گھر کارخانہ ندی بافی کا تھا - تیسرے ظہور اللہ نام تھا - چوتھے سیاہ فام تھے - پانچوین سر برگنج تھا اب وہ بند پڑھیئے - **بند**

اب اُنکو دے شفق جسے رخ شال نارنجی بُنا جو کرتے تھے بیل و نہال شطرنجی
نہ دیکھ کیونکہ نہ اُلجھے بجانۂ تن جی ظہور حشر نہ ہو کیونکہ کلجڑی گنجی
حضور بلبل بستان کرے نوا سنجی

کہتے ہین کہ جب ظہور اللہ خان نواج سے واپس ہونے لگے تو راہ مین بدوؤن نے لوٹ لیا تھا - اس لیے پہلے حیدرآباد پہونچے کہ کہین سے زادراہ کی سبیل ہو - اور کسی امیر کی شان مین قصیدہ کہکر لے گئے - امیر نے نام دریافت کیا - تو انھون نے نام بتایا - امیر نے ہنس کر کہا کہ آپ وہی ظہور اللہ نوا ہین جس کی جرأت نے ہجو کہی ہے ع ظہور حشر نہ ہو کیون کہ کلجڑی گنجی الخ
نوا کو سن کر پسینہ آگیا اور قصیدہ لکھکر سنانے کی جرأت نہ ہوئی - ساری خوشنوائی اور نواسنجی بھول گئے

سید انشا

جب انشاء اللہ خان نے یہ غزل کہی - جگر کی آگ بجھے جس سے - جلد وہ شے لا + لگا کے برف مین ساقی صراحی مے لا + تو اس کی بہت شہرت ہوئی - کہتے ہین کہ اکبرآباد مین ایک درویش نے مطلع سن کر کہا کہ جب آگ ہی بجھ گئی تو عشق عاشقی کا کیا خاک مزا ہے - عشق تو ٹھنڈا ہو گیا یون کہنا چاہیے تھا ؎

مکین ؎ شب بخوابم چو رخ آن دلبر عیّار نمود — بخت خوابیدهٔ رشک آمد و بیدار نمود

سودا فرماید - در مصرعهٔ ثانی لفظ رشک بیجاست - بخت خوابیده عاشق اوست که بر وصل او رشک

برد - باعتقاد عاصی این مصرعهٔ ثانی بہتر از دست ؎

شب بخوابم چو رخ آن دلبر عیّار نمود — بخت خوابیده سر باز زد و بیدار نمود

سر باز زدن مناسب است چنانچه شعر استاد است ؎

در همه شهر یکے فتنهٔ خوابیده نماند — که سر باز زده مژگان تو بیدار نه کرد

مکین ؎ این زمان دم از محبت میزند آن بیوفا — ظلم چرخ دون و جور طالع واژون گذشت

سودا فرماید - هر دو مصرع محتاج دو مصرع دیگر ند موافق مصرع اولے مصرع ثانی چنین باید

؎ این زمان دم از محبت میزند آن بے وفا — گشت چون پیش از خط آن هم ز حد بیرون گذشت

یا مطابق مصرعهٔ دویم مصرعهٔ اولی چنین باید ؎

شکر ایزد را که یار از دوستی دم میزند — ظلم چرخ دون و جور طالع واژون گذشت

مکین - رباعی ؎ در خدمت شاه عالم و عالیان — بنشست اگر مکین مزن طعنه بران

بر خاک فتد ز خاکساری سایه — ناچار به پیش آفتاب تابان

سودا فرماید افتادن سایه پیش آفتاب اختراع تازه است نه فهمیدند که نور و ظلمت با هم نقیض اند سخن رس

می فهمد چیز و حال را در عالم مبالغه منقبت و مدح می آرند - اگر سایه را پیش آفتاب جامی بود معنی این شعر

برای ممدوح چه لطف و خوبی داشت ظاهرا این شعر را دیده سایه پیش آفتاب انداخته اند - عرفی گوید

؎ سراسر آفتاب عشق ناپیداست عالم را — تو فکر سایه کن اول پس انگه سایان پیدا

موافق فهم بنده برائے مصرعهٔ آخر رباعی این مصرع مربوط است

؎ این خاک نشین نشست ہمچون پرتو — ناچار به پیش آفتاب تابان

(ظہور عطا حمد) سادہ پیری

میان جرأت

ایک دفعہ ظہور اللہ خان نوا بداؤنی نے مشاعرے مین یہ شعر پڑھا شعر

ہے گرفتاری سے میری سارے عالم کو نجات — شور نالہ سے مرے ہر شخص شب بیدار ہے

دبوے آواز جو آتیرے دَر اُوپر کوئی　　سن کے اس حال مین تو یا دتا گھتا نکلے

مرزا فاخر مکین بیت

بسکہ بے نام و نشان و بیکیم ز ترسم مکین　　ہمچنان افتادہ بگذارند روز محشرم

سودا فرماید کہ این مقام شادی ست کہ کسے روز محشر بتر سد نہ محل ترس ـ اگر چنین گفتند شعر درست می باشد مصرع بسکہ بے نام و نشان و بیکیم شادم مکین ÷ الخ

مکین ؎ داغم کہ دل از لالہ بیاد تو زخود رفت　　ہر رنگ بہ بوئے تو اگر ہست و گر نیست

سودا فرماید ہست و نیست چہ دخل دار و البتہ نیست چگونہ رنگ لالہ مانا بوئے معشوق باشد اگر شاعر ماہر می بود این مضمون را این قسم می بست مصرع از دیدن گل رفت بیاد تو زخود دل ÷

مکین ؎ اگر گیرد فلک دستش عجب دارم کہ برخیزد　　ہر بستر مریض نرگس بیمار یار افتد

سودا فرماید دستگیری فلک بردم بیمار چہ نسبت دارد در دستگیری مسیحا لطف دیگر است کہ تعلق بہ نبض ہم دارد درین صورت برائے مصرعۂ ثانی مصرعۂ اولیٰ چنین باید

مصرع مسیح ار دست او گیرد عجب دارم کہ برخیزد ÷

مکین ؎ برلب گرہ از بیم تو دل صد گلہ دارد　　این خستہ ندانم چہ قدر حوصلہ دارد

سودا فرماید اگر گلہ شکوہ برلب از بیم و ترس گرہ شود او را وسعت حوصلۂ دل نمیتوان گفت بلکہ بنا بر خوف جان خواہد بود ـ حوصلہ آنجا کار میکند شخصے کہ بقوت و قدرت ہمہ چیز قادر باشد و از شخص ضعیف حرف پست و بلند بشنود و چیزے نگوید و بجہتے کہ پائے بیم بمیان آمد حوصلہ کجا ماند باعتقاد بندہ بجائے بیم ـ اگر لفظ خوے مے بود شعر درست می شد لازم بود کہ این قسم می گفتند

ع برلب اگر از خوے تو دل صد گلہ دارد ÷ الخ

مکین ؎ بہر آخر شفیع خویش کردی قاتل خود را　　مکین مریخ را ناہید کردن از تو می آید

سودا فرماید میان قاتل و مقتول شفاعت کنندہ شخص دیگرے باید تا شافع او باشد و شاعر ہمان قاتل را شفیع قرار دادہ و ماورائے این ترک فلک را رقاصہ ساختہ اند ـ قطع نظر ترک فلک اگر ناہید شد صفت رقص در دیدہ اگر دید نہ صفت شفاعت مے بایستے کہ این مضمون باین قسم می بستند

؎ بہر خویشتن سرگرم کردی قاتل خود را　　مکین مریخ را خورشید کردن از تو می آید

تھا۔ اُس نے پیادہ تلوار سے شیر کو مارا۔ آصف الدولہ کو یہ دیکھکر کچھ خفت ہوئی۔ اُس کے رفع کرنے کو سودا نے فوراً کہا ؎

یارو یہ ابن ملجم پیدا ہوا دوبارا ۔۔۔ بھیلوں کے بن مین جس نے شیر خدا کو مارا

(چونکہ قاتل شیر خدا حضرت علی کا نام بھی عبدالرحمن تھا) اس لیے ولایتی کو بہت جوش آیا۔ اور وہ تلوار کھینچ کر سودا پر جھپٹا۔ اور فحش دشنام دینے لگا۔ سودا نے کہا (جناب آغا خیرست این مقالات شایان شما نیست،، ولایتی نے جواب دیا "آنچہ تو گفتی نظم بود نظم از ما نمی آید۔ حالا این نثر را گوش کن،، سودا جھٹ آصف الدولہ کی آڑ مین ہو گئے۔ نواب نے ولایتی کو روکا تب جان بچی۔
(عطیہ حضرت زاہد)

نوٹ

آب حیات مین مولانا آزاد نے اس واقعے کو بدل کر نواب کے حق مین منسوب کر دیا۔ سودا کو کچھ سودا تو تھا نہین کہ نواب کی شان مین ایسا گستاخانہ شعر کہتے۔ جسے اللہ نے ذرا بھی عقل سلیم دی ہے وہ اس واقعے کو کیونکر تسلیم کر سکتا ہے۔ جب صاحب آب حیات نے اس جزو کو دوسرے لطیفے کی صورت مین تبدیل کر دیا جو قطعاً غلط ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے جو بعد تحقیق اوپر درج کیا گیا۔ مین نے بھی "بزم خیال" مین اسی کی نقل کر دی تھی جسکی صحت اب ۲۲ سال کے بعد ہوئی۔ (مؤلف)

(میر ضاحک) مولانا آزاد لکھتے ہین کہ یہ بھی بزرگون سے سنا کہ سودا نے جو کچھ میر ضاحک کی جناب مین یاوہ گوئی کی ہے۔ میر صاحب نے اُس سے زیادہ خراب و خوار کیا تھا۔ لیکن وہ کلام عجب طرح سے فنا ہو گیا۔ مولانا آزاد کو کوئی شعر نہ ملا لہذا چند شعر ہجو سودا کے لکھے جاتے ہین۔ جو ایک بزرگ قدیم کی بیاض سے ہمارے محترم بزرگ حضرت زاہد سہارنپوری نے لکھ لیے تھے۔ جنھون نے ازراہ الطاف بزرگانہ "حسن خیال" کو مرحمت فرمائے جو یادگار رہین گے ورنہ یہ بھی تلف ہو جاتے اور کوئی نہ جانتا۔ اب اشعار ہجو ملاحظہ ہون۔ اسمین بعض الفاظ فحش بھی ہین۔ مگر یہ ایک ایسے کامل شاعر کا کلام ہے کہ اسکا ایک لفظ بھی چھوڑنا ایک ایسا ادبی جرم ہے جسکی بازپرس ہو کر رہیگی ؎

جھانک کر شرمگہ والدہ سے کہتا تھا ۔۔۔ ہو دے ضاحک جو نہ یان پر تو یہ بند نکلے
سنیو تک خوبی نو جس کا ہو نطفہ از رحم ۔۔۔ میرزا بھڑوہ بنے ہو کے جب الٹا نکلے
اب کے اے بھڑوے مین ایسا تجھے دونگا جلاب ۔۔۔ دست کی راہ سے سارا ترا سودا نکلے

میر سجاد کا یہ شعر کیا شعر

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے　　جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

تو میر صاحب نے فرمایا کہ یون تو سارے شعر سبحان اللہ۔ لیکن اس شعر پہ وجد آتا ہے اور ایسا مزہ آتا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ سو جگہ لکھون

شیخ حاتم کا یہ شعر دیکھکر شعر

ہاے بیدردسے ملا کیون تھا　　آگے آیا مرے کیا میرا

چونکہ مصرعۂ ثانی مذموم تھا میر صاحب نے ازراہ شوخی فرمایا کہ یون کہنا چاہیے تھا شعر

مبتلا آتشک مین ہون اب مین　　آگے آیا مرے کیا میرا

شیخ حاتم کا شعر تھا شعر

دیکھو طور اس دور کا حاتم نے کی ترک شراب　　یاد کر سبزہ رویان کو وہ اب پیتا ہے بھنگ

میر صاحب نے فرمایا سبزہ رویان سے میرے کان آشنا نہین اس لیے قابل تامل ہے۔

انعام اللہ یقین کا شعر تھا شعر

مجنون کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھکو　　کیا عیش کرگیا ہے ظالم دوانہ پن مین

میر صاحب نے فرمایا کہ خوش نصیبی کی جگہ خوش معاشی ہوتا تو شعر اور بامزہ ہوجاتا۔

خان آرزو

شرف الدین مضمون کا شعر تھا شعر

مضمون تو شکر کر کہ ترا نام سن رقیب　　غصے سے بھوت ہوگیا لیکن جلا تو ہے

خان آرزو نے فرمایا کہ بھوت اور جلنے کی رعایت سے بجاے نام اسم زیادہ موزون ہے کیونکہ عامل اپنی اصطلاح مین اسم کہتے ہین نہ نام۔ اس لیے یہ ہونا چاہیے ع مضمون تو شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب الخ

مرزا رفیع السودا

نواب آصف الدولہ بہادر ایک دفعہ شکار کو گئے۔ ایک ولایتی اور سودا ہمراہ تھے۔ ولایتی کا نام عبدالرحمن

میر سجّاد کا یہ شعر سنا **شعر**

کس طرح کوہ کن پہ گذرینگی　　ہجر کی یہ پہاڑسی راتین

سن کر فرمایا یہ شعر اس طرح ہونا چاہیے **شعر**

ہجر شیرین مین کیونکہ کاٹے گا　　کوہ کن یہ پہاڑسی راتین

مضمون کا یہ شعر ہے میرے پیغام کو تو اے قاصد　　کہیو سب سے اُسے جدا کر کے

ایک دن انتخاب کرتے ہوے اس طرح زبان پہ جاری ہو گیا جس مین خود بخود اصلاح ہو گئی۔

شعر میرا پیغام وصل اے قاصد　　کہیو سب سے اُسے جدا کر کے

میر سجّاد کا شعر تھا **شعر**

کافر بتون سے داد نہ چاہو کہ یان کوئی　　مرجا ستم سے اُنکے تو کہتے ہین حق ہوا

میر صاحب نے فرمایا کہ کافر کی جگہ باطل کا لفظ زیادہ موزون ہے **ع** باطل بتون سے الخ

مصطفےٰ خان یکرنگ کا شعر تھا **شعر**

سچ کہے جو کوئی وہ مارا جائے　　راستی ہیگی دار کی صورت

میر صاحب نے فرمایا کہ سچ کی جگہ حق اولےٰ ہے **ع** حق کہے جو کوئی وہ مارا جائے

یکرنگ کا شعر تھا **شعر**

اُسکو مت بوجھو سجن اورون کی طرح　　مصطفےٰ خان آشنا یکرنگ ہے

میر صاحب نے فرمایا اگر میرا شعر ہوتا تو پہلا مصرع یون کہتا **ع** مت تلوّن اسمین سمجھین آپ سا

محمد شاکر ناجی کا شعر تھا **شعر**

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم　　لب صدف کے تر نہین ہرچند ہے گوہر آب مین

میر صاحب نے فرمایا پہلا مصرع یون چاہیے تھا　　مت رکھے چشم کرم دولت سے اپنے خرد کے الخ

میر سجّاد کا شعر تھا **شعر**

میرا جلا ہوا دل مژگان کے کب ہے لائق　　اس آبلہ کو کیون تم کانٹون مین کھینچتے ہو

میر صاحب نے فرمایا ہرچند مثل مین تصرف جایز نہین کیونکہ مثل یہ ہے کہ کیون کانٹون مین گھسیٹتے ہو لیکن چونکہ شاعر قادر سخن ہے اس لیے قابل معافی ہے۔

ہیرے کی کنی کی طرح کاٹ کی۔ ایک شعر تو ایسا چبھا ہوا تھا کہ اُس کو سن کر میان الماس بہت ہی کٹے
مگر اُس ملک بے نیازی کے بادشاہ کا کیا کر سکتے تھے۔ وہ شعر یہ تھا

شعر کیا دل ٹکڑے ہو اک مرد و زن کا — یہ وہ الماس قاتل ہے حسن کا

جو زبان زد ہو گیا۔

کہتے ہین کہ ایک دفعہ دلّی مین لطف علی خان بطلق کے یہان بزم مشاعرہ تھی۔ میر صاحب نے یہ غزل پڑھی

غزل چمکی ہے جب سے برق سحر گلستان کے اُور — جی لگ رہا ہے خار و خس آشیان کے اُور

ردیف پر مشاعرے مین سرگوشیان ہونے لگین مگر کس کی مجال تھی کہ منہ پر کر دم مار سکے۔ خواجہ میر درد کے
ایک شاگرد نے اپنے شعر مین چوٹ کی اور اس اعتراض کو اس خوبصورتی سے نظم کیا کہ میر کی اُستادی بھی تسلیم
اور زبان پر اعتراض بھی کر گیا۔ شعر یہ پڑھا **شعر**

رکھتا ہون میر صاحب قبلہ سے مین سند — پر جانتا نہین کہ زبان ہے کہان کی اُور

ختم مشاعرۂ مذکور پر لوگون کے اصرار طبع سے میر صاحب نے غیر طرح غزل پڑھی اور خواجۂ درد کے شاگرد کی
زبان سے بے خبری اور ناواقفیت جتائی غزل یہ پڑھی۔

غزل

قصد گر امتحان ہے پیارے — اب تلک نیم جان ہے پیارے

گفتگو ہم سے ریختہ مین نہ کر — یہ ہماری زبان ہے پیارے

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے — جان ہے تو جہان ہے پیارے

کسی نے ٹیک چند بہار کا یہ شعر پڑھا **شعر**

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلےٰ کا قیس — یہ عجب منظر ہے جسکے مبتلا ہین مرد و زن

میر صاحب نے سن کر فرمایا دوسرا مصرع یون ہوتا تو حسن دوبالا ہو جاتا

ع حسن کیا منظر ہے جسکے مبتلا ہین مرد و زن

اسی طرح آبرو کا یہ شعر کسی نے پڑھا **شعر**

نہین تارے بھرے ہین شک کے نقطے — اس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

میر صاحب نے فرمایا کہ دوسرا مصرع یون ہونا چاہیے

ع کس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

مین قائل ہوگیا کہ بلاشبہہ یہ شاعرہ ہین۔ میری اس قدر تعریف سے اور اُن کا دل بڑھا اور ایک غزل صبح اور ایک غزل شام کو تیار ہوتی تھی اور میان نزہو مرحوم اصلاح کے لیے مرے سر پر سوار رہتے تھے۔

نواب اختر محل

نواب اختر محل شاعرہ تو نہ تھین۔ مگر فن شاعری کا مذاق سلیم رکھتی تھین۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ شاہزادہ مرزا سلیمان جاہ انجم (جن کا دیوان نول کشور پریس مین طبع ہو چکا ہے) جو مولانا سید علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی کے شاگرد تھے۔ ان کی نسبت مولوی صاحب فرماتے تھے کہ وقت اصلاح مین صرف اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ کوئی واضح غلطی نہ رہے۔ نواب اختر محل کے سلام کو گئے۔ بیگم نے فرمایش کی کہ کوئی غزل کہی ہو تو گاؤ۔ شہزادے کے پاس اُس وقت ہان کی طرح۔ جہان کی طرح۔ کے قافیہ ورد یف والی غزل موجود تھی جو اُنھون نے تازہ کہی تھی۔ اُسکو جیب سے نکالکر وہ گانے لگے جب اس شعر پر پہونچے ؎

دم مرا نکلا ترے وعدے کے ساتھ ۔ تیری گھبرائی ہوئی ہان کی طرح +

تو بیگم نے سن کے فرمایا کہ "کیا اُس نے گھبرا کر کہا تھا کہ "ہان" پھر فرمایا یون پڑھیے

ع تیری شرمائی ہوئی ہان کی طرح +

مولانا نظم فرماتے تھے کہ اس کے بعد شاہزادے جب مجھ سے ملے تو کہنے لگے کہ حضرت آپنے ہماری ہان کی طرح" والی غزل دیکھ لی تھی۔ آج اتی جان کو مین نے وہ غزل سنائی تو اُنھون نے اصلاح دیدی اور مجھے شرمندہ ہونا پڑا اسلیے سارا حال بیان کیا

{ مخزن اگست سنہ ۱۹۰۹ع
{ مرسلہ حضرت نفیس بنگلوری }

میر تقی میر

میر دلی سے لکھنؤ پہونچے تو خدا جانے کس بات پر خواجہ الماس خواجہ سرا سے بگڑ گئے۔ ہر چند کسی کی ہجو کہنے سے بچتے تھے مگر تنگ آتے تھے تو کہہ گذرتے تھے۔ چنانچہ الماس کی ہجو بھی کہی جس کے ہر مصرع نے

رقیبون کا جلنا کہان دیکھتا تو ۔ سمان یہ مرے گھر مین آیا تو دیکھا
گنہ کیا صنم کے نظارے مین مومن ۔ یہ جلوہ خدا نے دکھایا تو دیکھ

حسن فروش

دلّی کی ایک حسن فروش جو موزون طبع اور حسین تھی۔ جس نے اپنی زلف پر خم مین ہزارون کے دل پھانسے تھے۔ ایک شاہزادے پر فریفتہ ہوئی۔ بہت جال ڈالے مگر شاہزادہ نہ پھنسا اور مائل نہوا محبت نے ادھر اسکی حالت ابتر کردی۔ ایک شب کو شاہزادے کے مکان پر بزم مشاعرہ منعقد ہوئی۔ تو یہ حسن فروش بھی طرح مقررہ پر چند شعر کہکر مردانہ لباس مین پہونچی اور شاہزادے کو خطاب کرکے بڑے سوز وگداز سے پڑھے۔ لب ولہجہ اور ادائے دلبری چھپ نہ سکی آخر پہچانی گئی اور شاہزادے نے نہایت غور سے یہ اشعار سنے۔ **اشعار**

ستمگر دیکھ تو ہم تجھ سے کس الفت سے ملتے ہین ۔ اس الفت کے جہان مین آدمی قسمت سے ملتے ہین
زہے قسمت تمھاری تھی کہ تم پر آگیا تھا دل ۔ وگرنہ کاہیکو ہم لوگ اس الفت سے ملتے ہین

ان سادے سادے معمولی لفظون مین خدا جانے کس قیامت کا جادو بھرا ہوا تھا کہ شاہزادے پر چل گیا اور بزم مشاعرہ سے خالی ہاتھ نہ پھری بلکہ شاہزادے کا دل اپنی زلف گرہگیر مین پھانس لائی۔

نظیر جان نشتر لکھنوی

سنہ ۱۸۹۸ع مین خاکسار مؤلف کچھ دنون کے لیے جون پور گیا تو ایک صحبت مین نظیر جان نشتر سے بھی ملاقات ہوگئی۔ سید زین العابد نے بی نشتر سے تعارف کراکے کہا کہ یہ شاعرہ بھی ہین۔ مین نے کہا کہ مین ان شاہدان بازاری کی شاعری کا قائل نہین۔ اکثر ان کے ملنے والے ان کے نام سے غزلین لکھکر انھین شاعر مشہور کردیا کرتے ہین۔ میان زہو نے کہا کہ آپ امتحان کرلیجیے۔ کوئی مصرع طرح دیجیے۔ ابھی مصرع سن لیجیے۔ میرے منھ سے یہ مصرع نکل گیا۔

ع اگر کچھ ہے تسلی تو شکل یہی ہے

نظیر جان نے فوراً پہلا مصرع کہکر اسے شعر کردیا۔ مصرع یہ تھا ع محبت مین راز محبت چھپانا +

نے مخزون کو یہ مصرعہ دیکر تضمین کے لیے اصرار کیا ع

سیر فلک کو ہم کبھی تنہا نہ جائینگے

مخزون نے برجستہ یہ مصرع لگا کر دونون کو ایسا مسرور کیا کہ اچھل پڑین ع زہرہ کے ساتھ جائینگے یا مشتری کے ساتھ +

مشتری ایک محفل مین اپنی یہ غزل گا رہی تھی جسکا مقطع یہ ہے مقطع

خریدار بازار مین پھر رہے ہین　　دل مشتری اب بکا چاہتا ہے

جب اُس نے یہ غزل ختم کی۔ کوئی صاحب بول اُٹھے کہ ایک شعر آپ بھول گئین۔ اُس نے کہا ارشاد ہو انھون نے یہ شعر پڑھا شعر

حمل نو مہینے کا ہے مشتری کو　　کوئی دم مین بچہ ہوا چاہتا ہے

اُس نے کہا کہ ایک شعر اور بھولی تھی وہ بھی سن لیجیے شعر

کرو کرتے ٹوپی کی اب فکر بھیا　　کہ ہمشیر زادہ ہوا چاہتا ہے

یہ اپنا سا منھ لیکر رہ گئے۔

نوٹ یہ واقعہ بزم خیال مین درج ہے۔ مگر آخری شعر کا پہلا مصرع غلط تھا۔ اسلیے حسن خیال مین دوبارہ مصرعہ اولے صحت کے ساتھ درج کیا گیا۔　(مؤلف)

صاحب

امۃ الفاطمہ عرف صاحب جی۔ صاحب تخلص کوئی پورب کی رہنے والی کسبی تھی۔ بیمار ہو کر علاج کے لیے دلی آئی۔ حکیم مومن خان سے علاج شروع کیا۔ حکیم صاحب نے دل لگا کر علاج کیا۔ یہ جب اچھی ہوئی تو حکیم صاحب اُسکی آنکھون کے بیمار ہو گئے۔ ع　مژدہ باد اے مرگ عیسی آپ ہی بیمار ہے

آخر اس نے صلہ معالجہ مین شراب وصال سے حکیم صاحب کا علاج کیا۔ حکیم مومن خان اس کافرادا کے ایسے دلدادہ ہوے کہ وضعداری اور پاس ننگ کو بالائے طاق رکھکر بے محابا اُس کے گھر آنے جانے لگے۔ وہ کچھ تو پہلے سے موزون طبع تھی۔ کچھ مومن خان کی صحبت سے اور موزونیت بڑھ گئی۔ اُنکی آمد و رفت پر اُس نے یہ شعر کہے اشعار

مرگیا۔ جانبازان محبت مین اپنا نام کر گیا۔ بنّو نے جب اُس کے مرنے کی خبر سنی۔ تاب نہ آئی۔ اور اپنے مرنیوالے کی لاش پر کشش دل اُسے کھینچ لائی۔ بقول میر ؎

بعد مرنے کے مری لاش پر آیا وہ میر
یاد آئی مرے عیسے کو دوا میرے بعد

نعش آشفتہ پر بنّو کی کچھ عجیب حالت ہوئی۔ جوش محبت نے اُسے بھی خود کشی پر آمادہ کر دیا۔ چاہتی تھی کہ چھری سے اپنا گلا بھی خود کاٹ ڈالے مگر عزیزون نے اُسے زبردستی روکا۔ جب آشفتہ کے جنازے کو لوگ لیکر چلے اُسوقت اس سے ضبط نہ ہو سکا بے اختیار ہو گئی۔ کلیجا دونون ہاتھون سے تھام کر اور نہایت دردناک آواز سے روکر یہ شعر پڑھے اشعار

چھوڑ کر مجھکو کہان او بتِ گمراہ چلا
تو چلا کیا کہ یہ دم بھی ترے ہمراہ چلا

چھٹ گیا غم سے مرا کشتۂ ابرو ہوکر
اک چھری میرے گلے پر مری آہ چلا

اُسکے عزیز کسی طرح بہزار خرابی اُسے گھر مین لائے۔ مگر اُسے دن رات سوائے رونے کے اور کوئی کام نہ تھا۔ لوگ ہر طرح اُسے بہلانا چاہتے تھے مگر وہ کب بہل سکتی تھی۔ عشق کا تیر اُس کے جگر پر کاری لگ چکا تھا۔ اُسکا چاہنے والا دنیا سے اُٹھ چکا تھا۔ لوگ ہزار سمجھاتے تھے تسکین دیتے تھے سب کی دوسن تو لیتی تھی۔ مگر کسی کو جواب نہ دیتی تھی۔ مگر دل ہی دل مین یہ شعر پڑھا کرتی تھی۔ اور کبھی بآواز بلند بھی یہی شعر پڑہتی تھی شعر

پسِ معشوق جینا عشق کو بدنام کرنا ہے
خدا مجنون کو بخشے ایک دن ہمکو بھی مرنا ہے

غرضکہ اپنے عاشق جانباز کی جدائی مین دن رات مثل ماہی بے آب تڑپا کرتی تھی۔ کھانا پینا قطعاً چھوڑ دیا۔ اسی طرح گھل گھل کر چھ مہینے بعد اپنے عاشق صادق سے جا ملی۔ اور اس طرح حضرت عشق کی سنت ادا کی۔ اُس زمانے مین جو شعر کہے اُنمین سے بعض یہ ہین ؎

موت آتی ہے نہ ہے زیست کا یارا مجھکو
ہائے آشفتہ ترے مرنے نے مارا مجھکو

کیا ہوئی ہائے فغان کی تری شور انگیزی
لے چلے تجھکو تو تو نے نہ پکارا مجھکو

قمرن جان مشتری طوایف لکھنؤ

کوئی صاحب نیاز احمد مخزن زہرہ و مشتری کے مکان پر گئے۔ شعر و شاعری کا ذکر چھڑا۔ دونون بہنون

شوہر ضعیف سے کہا رباعی

اے مرد ترا بہ جرم انگیزی نیست   ہم پیر و ضعیفی و ترا چیزے نیست
با این ہمہ میدہی نہیبم بہ زدن   خود قوت آن ترا کہ برخیزی نیست

مفلس وضعیف شوہر بھی شاعر تھا فوراً جواب مین کہا رباعی

اے زن دگر آنکہ با من آمیزی نیست   کار تو بغیر فتنہ انگیزی نیست
دارم ہمہ عیبہا کہ گفتی اما   عیبے بتر از بلائے بے چیزی نیست

با این ہمہ ضعیفی ایک نوجوان شاعر پر جن کا تخلص آرزو تھا فریفتہ ہوئی اور یہ شعر لکھکر داد سخن چاہی

شعر   در دلم بود آرزو دیست بیش از ہر آرزو   دیدم آن روئے فزون شد آرزو بر آرزو

گلبدن و گلچہرہ

بابر بادشاہ کی دو لڑکیان - ایک کا نام گلبدن دوسری کا گلچہرہ دونون تعلیم یافتہ فن شاعری مین طاق اور شہرۂ آفاق تھین - گلچہرہ کا شوہر دوسری کنیزون سے اختلاط و ارتباط رکھتا تھا اس لیے یہ شوہر سے بیزار و کنارہ کش رہا کرتی تھی - گلبدن نے ایک دن بطور پند و نصیحت یہ شعر لکھ بھیجا شعر

ہر پری روئے کہ او با عاشق خود یار نیست   تو یقین میدان کہ ہیچ از عمر برخوردار نیست

گلچہرہ نے اپنی بہن کے جواب مین یہ شعر لکھکر بھیجا اور عذر کا اظہار کیا شعر

ہیچ گہ آن شوخ گل رخسار بے اغیار نیست   راست بود ست آنکہ در عالم گل بے خار نیست

بنّو

دلّی کی ایک حسین و نازنین شوخ طبع شاعرہ تھی - گلاب سنگھ آشفتہ اس شاہد رعنا پر فریفتہ ہوا گو وہ بھی آشفتہ سے مانوس ہوگئی تھی مگر خود مختار نہ تھی کہ آشفتہ کی حسرتین نکل سکتین - اس مہجور فراق نے ہزارون تدبیرین بنّو سے ملنے کی کین مگر بے سود ثابت ہوئین جب ملنے کی کوئی صورت نہ نکلی - غریب آشفتہ تاب فراق نہ لا سکا اور وصال یار سے مایوس ہوا تو خنجر سے خود اپنا گلا کاٹ کر

بزرگی کشمیری

عہد جہانگیر مین ایک حسینہ وجمیلہ پیشہ ور عورت تھی جس کی صحبت مین اکثر اہل عجم رہتے تھے ایک دن ایک عرب بھی جا پہونچا۔ یاران سابق کو بہت ناگوار گذرا اور یہ رباعی لکھکر بزرگی کے پاس بھیجی **رباعے**

اے شیوۂ کفر و دین بہم ساختۂ　　غم را بوجود وعدم ساختۂ
آثار بزرگی از جبینت پیدا　　گہ با عرب و گہ بہ عجم ساختۂ

بزرگی بھی طبع موزون رکھتی تھی۔جواب مین یہ شعر لکھ بھیجا **شعر**

روزے کہ نہادیم درین دیر قدم را　　گفتیم صلائیست عرب را و عجم را

اس جواب کو سن کر اہل عجم خاموش ہو گئے۔

نہانی

نہانی شاہ سلیمان کی والدہ خرم بیگم کی خواص تھی۔اور زیور حسن وجمال سے قدرت نے اسے آراستہ کیا تھا۔اُس نازنین نے عہد کیا تھا کہ جو شخص میری اس رباعی کا جواب دے گا اُس سے عقد کرون گی **رباعے**

از مرد برہنہ روئے زر می طلبم　　در خانۂ عنکبوت پر می طلبم
من از دہن مار شکر می طلبم　　وز لپشۂ مادہ شیر نر می طلبم

اُس کے جیتے جی تو کسی نے جواب نہ دیا۔ البتہ مرنے کے بعد سعد اللہ خان وزیر شاہجہان نے اُس کا جواب دیا لیکن بے سود **ابیات**

علم ست برہنہ رو وتحصیل زر است　　تن خانۂ عنکبوت و دل بال و پر است
زہر است جفائے علم و معنی شکر است　　ہر پشہ از وچشید آن شیر نر است

ضعیفی

ضعیفی شاعرہ کا شوہر بھی ضعیف تھا۔اس لیے جوانی تک ضعیفی مزے اُڑاتی رہی۔ایک دفعہ

مہری

مہری خواجہ عبد العزیز طبیب شاہی۔ شاہ رخ میرزا گورگانی کی زوجہ نہایت موزون طبع اور شوخ گوہر شاہ بیگم کی جلیس اور خواص تھی۔ ایک دن بیگم مذکور کی صحبت مین بیٹھی تھی کہ خواجہ دور سے آتے ہوے نظر پڑا۔ بیگم نے چھیڑ سے کہلا بھیجا کہ بہت جلد چلیے۔ بیگم صاحب بلا رہی ہین۔ خواجہ کبیر السن تھا اور ضعف پیری کی وجہ سے جلد نہ چل سکتا تھا۔ لیکن بیگم کے حکم کی وجہ سے جلد جلد گھبرا کر قدم اُٹھانے شروع کیے۔ چلنے مین قدم لڑکھڑاتے جاتے تھے۔ بیگم نے یہ حالت دیکھکر مہری سے فرمایش کی کہ اس وقت کوئی پھڑکتا ہوا شعر خواجہ کے حسب حال موزون کرو۔ جب خواجہ پہونچا تو مہری نے شوہر کو مخاطب کرکے یہ شعر پڑھے **ابیات**

مرا با تو سر یاری نمانده — بدل مہر و وفاداری نمانده

ترا از ضعف پیری طاقت و زور — بجان۔ کہ پائے بر داری نمانده

مہری کا چال چلن شوہر کی پیری و ضعیفی سے اچھا نہ رہا۔ اور بیگم کے بھانجے سے ناجایز تعلق پیدا کر لیا۔ جس پر شاہ رخ میرزا نے خواجہ عبد العزیز کی تحریک سے مہری کو نظر بند کرکے پانوین کندہ ڈال دیا مگر مہری بھی اپنی فطری شوخی طبیعت سے خاموش رہی اور یہ دو رباعیان اسی حالت مین کہین

رباعی
شه کنده نهاده سرو سیمین تن را — زین واقعه شیون است مرد و زن را
افسوس که در کنده نباید فرسود — پائے که دو شاخه بود صد گردن را

دیگر

رباعی
شوے زن نوجوان اگر پیر بود — چون پیر بود ہمیشه دلگیر بود
آرے مثل است آنکه گویند زنان — در پہلوے زن تیر به از پیر بود

ان رباعیون کو سن کر مرزا شاہ رخ ہنسا اور مہری کو رہا کر دیا۔

ایک دفعہ ملا جامی سے بگڑ کر یہ رباعی کہی **رباعی**

آن شاه مبارزان و شیر یزدان — آزرده شد از دست دو عبد الرحمٰن
آن یک پسر ملجم و دیگر جامی — او زخم سنان زدست و این تیغ زبان

بیگم نے دوسرا کبوتر بھی اُڑا کر کہا کہ یون ہی اُڑ گیا۔ اس ادائے معشوقانہ اور اس بھولے پن کے نثار کہ دوسرا کبوتر بھی اڑا دیا گیا۔ ہائے یہ منظر جنکی آنکھون نے دیکھا ہوگا اُن کے دل سے پوچھیے کہ اُن پر کیا کچھ نہ گذر گئی ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے پہل بادشاہ اسی ادائے دلربایانہ پر فریفتہ ہوا۔

بعد انتقال جہانگیر نورجہان کا عجب عالم تھا وہ مغموم پریشان وحزین ہردم رہا کرتی تھی۔ شانہ وآئینہ سے کلی نفرت ہوگئی۔ کھانے پینے کا کوئی نام لیتا تھا تو پہرون اُبکائیان آتی تھین۔ کہتی تھی غم روزگار کیا کم ہے جو کھانے کی فکر ہو۔ اُسی عالم مین کشمیر آئی۔ ایک دن اسی غم مین زیادہ محزون وگریان رہی۔ رات بڑی بےچینی اور بیتابی سے بسر کی۔ فرط غم والم سے سر کو تکیون پر ٹیک دیتی تھی۔ غرض ہزار خرابی وہ رات کاٹی۔ اگلے دن دل بہلانے کو نکلی۔ ایک آبشار پر جا کر کھڑی ہوئی۔ اُس کے شور اور موجون کو جو پتھرون سے ٹکرا رہی تھین بغور دیکھا کی جذبات دلی کے اکسانے کا بہانہ جو مل گیا۔ ضبط نہ لا سکی۔ آخر آبشار کی طرف خطاب کرکے فرمایا **رباعی**

اے آبشار نوحہ گراز بہر کیستی — چین برجبین فگندہ ز اندوہ کیستی
دردت چہ درد بود کہ چون من تمام شب — سر را بہ سنگ میزدی و مے گریستی

چندا دکنی

حیدرآباد دکن کی رہنے والی ماہ لقا نام چندا تخلص۔ ولی دکنی کی طرح اردو کی پہلی شاعرہ تھی عالمگیر ثانی کے عہد مین یہ شاہ بازاری شیر محمد خان ایمان کی شاگرد تھی۔ فارسی و اردو دونون زبانون مین شعر کہتی تھی۔ اس کا دیوان کتب خانۂ لندن مین موجود ہے۔ چندا نے ایک مسجد تعمیر کرائی تو کسی شاعر نے تاریخ کہی۔ **تاریخ**

چو محرابش سجود خاص وعام است — فلک گفتہ کہ این بیت الحرام است

سن کر بہت ہنسی اور از راہ قدردانی ایک ہزار روپیہ شاعر صاحب کی خدمت مین پیش کیا۔ اپنے کردار و اعمال کی معذرت مین یہ دو شعر اُسکے مشہور ہین۔ **اشعار**

چنداسے بروز حشر الٰہی چو نامۂ عمل — کنند بانکہ آن روز باز خواہ منت
مکن معاملہ آن را بہ سرنوشت ازل — کمی و بیشی اگر باشد آن گناہ من ست

غالبًا اب تو بادشاہ اپنے قصد سے باز آیا ہوگا۔ تاہم ازراہ شوخی یہ شعر پڑھا ؎

اے غزالِ شوخ عذرت درگزار شیر شرزہ خون خورد وقت شکار

نوٹ یہ مصرع بھی دونون طرح لکھا دیکھا گیا ہے

ایک دن بیگم لباس فاخرہ زیب جسم کیے دامن سمیٹے بدن کو چھپائے ایک عجیب ادائے دلربایانہ سے بادشاہ کے پاس خلوت مین آئی۔ بادشاہ نے ازراہ شوخی یہ سوال کیا

ع زیر دامانِ تو پنہان چیست اے نازک بدن

حاضر جواب بیگم نے لجا کر اور کسمسا کر یون جواب دیا

ع نقش سُم آہوے چین ست بر برگ سمن۔

شعر گر دو پیک صبا اندر دہان تنگ او قطرہ قطرہ می چکد لعل بدخشان در مین

اس حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی کی مثال سوائے زیب النسا بیگم کے اور کسی مین نہین پائی جاتی

بعض یہ بھی کہتے ہین کہ ایک مرتبہ جہانگیر نے کسی بات پر غضب ناک ہو کر بیگم سے فرمایا ع

کل تو ہے ترا سر ہے شمشیر ہے اور مین ہون

اگلے دن جب بادشاہ کا غصہ دھیما پڑا تو ادا شناس اور مزاج دان بیگم نے تلوار اور طشت بادشاہ کے سامنے رکھکر اور سر جھکا کر بہ کمال عجز و انکسار عرض کیا ؎

کل تم جو یہ کہتے تھے شمشیر ہے اور مین ہون یہ طشت ہے یہ سر ہے تقصیر ہے اور مین ہون

نوٹ۔ زبان اردو کی اس وقت یہ حالت نہ تھی کہ ایسے صاف مصرعے کہے جائین۔ اس لیے اس روایت کے صحیح ہونے مین تامل ہے۔

بادشاہ جہانگیر کو گرہ باز کبوترون کا بے حد شوق تھا۔ ایک جوڑہ کبوتر اُسی دن نذر مین کسی نے پیش کیے تھے جو بادشاہ کو بہت پسند تھے۔ وہ دونون کبوتر بیگم کے ہاتھ مین دیدیے۔ اتفاق سے ایک کبوتر اُس کے دست نازنین مین پھڑکا۔ اُس دست ناز کی نزاکت نے اتنی بھی اجازت نہ دی کہ وہ اُسے سنبھال سکے آخر وہ اُسکے ہاتھ سے چھوٹ کر اُڑ گیا۔ کبوتر کیا اڑا کہ خواصون کے ہوش اُڑ گئے بیگم کو کبوتر کے اڑنے کا اس قدر قلق ہوا کہ صورت تصویر کھڑی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنے مین جہانگیر بھی آگیا۔ اُس نے بیگم کو افسردہ و غمگین دیکھکر سوال کیا کہ کبوتر کیسے اُڑ گیا؟

زبان سے یہ اشعار نکلے۔ جو اُسی وقت موزون کیے گئے تھے ؎

چو بر دارم ز رخ برقع ز گل فریاد برخیزد   زنم بر زلف گر شانہ ز سنبل داد برخیزد
بدین حسن و بہار خود چو در گلشن گذر سازم   ز جان بلبلان شور مبارکباد برخیزد

کلیم شاعر نے ایک دفعہ یہ شعر کہا ؎

ز شرم آب شوم کاب را شکستے نیست   بحیرتم کہ مرا روزگار چون بشکست

نورجہان بیگم نے سنا تو ہنس کر کہا کہ آب را نیز شکستے ہست چنانچہ گویند یخ بستہ شکست۔
اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جہانگیر کی زبان سے کوئی مصرع نکلتا جس کا مضمون ادھورا ہوتا تو حاضر جواب بیگم فوراً دوسرا مصرع کہکر مضمون اور شعر پورا کر دیتی۔ مثال کے طور پر بعض اشعار لکھے جاتے ہین۔ بعض درج بزم خیال ہو چکے ہین۔ ایک دن بیگم کے کسی بات پر آنسو جاری ہوئے تو جہانگیر نے فرمایا

جہانگیر ع گوہر ز چشم مست تو غلطیدہ می رود   نورجہان بیگم ع آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ میرود
〃 〃 معشوق خردسال بما رو نمیدہد   〃 〃 تا غنچہ است گل بہ کسے بو نمیدہد
〃 〃 از برای سوز دل آتش ز طور آوردہ است   〃 〃 تاجر ما جنس در دراز راہ دور آوردہ است
〃 〃 از برای دیدنت می آید از فرسنگہا   〃 از ہیبت شاہ جہان سر می زند بر سنگہا
〃 〃 نیست فوارہ کہ بینی لب آب روان   〃 آب از گرمی این فصل برآوردہ زبان
〃 〃 بینی دو چشم و دو ابروئے توای گل اندام   〃 شاخ بادام و دو بادام و دو برگ بادام

ایک شب بیگم حالت و مقام عذر مین تھی۔ بادشاہ کے میلان شوق و اصرار بلیغ پر دست بستہ سر تسلیم خم کر کے عرض کیا شعر

ز قتل[1] من اگر شاہا دلت خوشنود می گردد   بجان منت و لے تیغ تو خون آلود می گردد

یا تو اس اشارہ و نکتہ لطیف کو بادشاہ سمجھا نہین یا دانستہ تجاہل کیا اور دستِ شوق بھر دراز کیا۔
بیگم نے اب تو صاف الفاظ مین ظاہر کر دیا اور ہاتھ جھٹک کر بہ منت عرض کیا ؎

از دست از گلچیدن امشب بدار   می چکد از برگ گل آب انار
امشب از شوقت مرا معذور دار

[1] بعض نے مصرعۂ اولی اس طرح نقل کیا ہے ع بقتل چون منے گر خاطرت خوشنود می گردد

ے شب امید بہ از روز عید می گردد   کہ آشنا بہ تمنائے آشنا خفتہ

جہانگیر ایک روز اُس کے کمرے مین جا نکلا جو ضیائے حسن سے شیش محل ہو رہا تھا۔ جو روش کنیزون کی زرق برق پوشاکین آنکھون کو خیرہ کیے دیتی تھین۔ فطرت کی لاڈلی ہمہ غمزہ۔ ہمہ عشوہ ہمہ ناز نہایت سادے باریک لباس مین تھی۔ لیکن شیشے کی طرح صاف صاف جسم جھلک رہا تھا

کلائی وہ نازک سی ہیرا تراشش

مقیاس الشباب کی سرکشی بتا رہی تھی کہ وہ دستانے کی طرح چھپی محرم سے زیادہ اودی اودی رگون کے پیچ وخم اور اعصاب کی قدرتی کھینچ تان کی ممنون ہے۔ اس پردہ کا فوری برہنہ حصہ افقی ؟ خیال کے لیے کیا باقی رہا۔ غرض مہر النسا عالم تصویر بنی ہوئی تھی۔ شاہی نگاہین جم کر حسن عریانی کا جایزہ بھی نہ لینے پائی تھین کہ ایک کہربائی قوت نے بجلی کے تارون مین نہین زلف عنبرین کے پیچون مین جہان پناہ کو جکڑنا شروع کیا۔ شاہانہ تمکنت نے دیکھتے دیکھتے حسن گلو سوز سے شکست کھائی۔ جہانگیر سے ضبط نہ ہو سکا دل کا چور زبان پر یون آیا۔

"تمھارے اور تمھاری لونڈیون کے لباس مین کیون فرق ہے"۔ اس کا جواب جو کچھ ملا وہ اوسی کا حصہ تھا جو آگے چل کر نور جہان ہونے والی تھی۔

"جی میرا لباس لازمًا اورون سے مختلف ہوگا کیونکہ اُسے شاہی خواہشات کے زیر اثر ہونا چاہیے۔" دیکھیے گا۔ کیا کہہ گئی۔ جتنا کہا نہین اُس سے زیادہ تخیل کے لیے گنجایش چھوڑ دی" از مرقع ادب حصہ دوم)

ایک دن بیگم بناؤ سنگار کر کے اپنے مین اپنے حسن کی بہار دیکھ رہی تھی۔ اپنی ایک ایک ادا پر خود بسمل ہو رہی تھی۔ بقول داغ ے

آئینہ دیکھتے ہی بیٹھ گئے تھام کے دل   پھر کہا آہ مجھے کیون یہ ادائین آئین

ابھی وہ نکھرنے بھی نہ پائی تھی کہ اُس عربدہ جو شعبدہ گر کو کسی خواص نے اطلاع دی کہ جہان پناہ تشریف لاتے ہین۔ مگر آمد شاہ کو بھی سن کر وہ محو زینت ہی رہی۔ اتنے مین بادشاہ تشریف لائے۔ اور اُس کے حسن وجمال کی چمک دمک اور اُس پر اس قیامت کے نکھار نے اُسکی آنکھون مین چکا چوندھ پیدا کر دی۔ دیر تک تصویر حیرت بنا رہا۔ آخر دل کا چور یون زبان پر آیا کہ۔ بیگم ماشاء اللہ چشم بد دور آج تو بہار ہی اور ہے۔ یہ رنگ یہ روپ یہ نکھار ہی اور ہے۔ بیگم کو غرور حسن نے جو تانا بے ساختہ

ع بیر شد زیب النسا لیکن خریدارے نشد ✤

جس طرح زیب النسا بیگم کو سرخ جوڑا پہنے ہوے دیکھکر زیر فصیل قلعہ سے یہ مصرع عاقل خان نے کہا تھا

ع سرخ پوشے بلب بام نظر می آید۔ اسی طرح نواب عاقل خان کو زیر قلعہ سرخ جیرہ باندھے اور گھوڑے

پر سوار جاتے دیکھکر بیگم نے یہ شعر پڑھا تھا۔ اور گرمی سخن سے آگ لگا دی تھی **شعر**

آن شوخ جیرہ بند سوار سمند شد ۔ یاران ! حذر کنید کہ آتش بلند شد

بعض حضرات کہتے ہین کہ عاقل خان نے یہ رباعی لکھکر بیگم کو بھیجی تھی۔ **رباعی**

بلبل روبت شدم گر در چمن بینم ترا ۔ می شوم پروانہ گر در انجمن بینم ترا

خودنمائی میکنی اے شمع محفل خوب نیست ۔ من ہمیخواہم کہ در یک پیرہن بینم ترا

اُسکے جواب مین بیگم نے وہ رباعی بھیجی تھی جو اوپر مذکور ہو چکی ہے **رباعی** بلبل از گل بگذرد

چون در چمن بیند مرا الخ۔

بیگم نے ایک دن سیر باغ مین اپنی خواص آتی سے کہا ع اے امانی گل صدبرگ چرامی خندد ✤

اُس نے بدیہہ عرض کیا ع برفنائے خود و بر غفلت مامی خندد ✤ کسی نے حزین سے منسوب کردیا۔

نور جہان بیگم

نورجہان شیر افگن کے مرنے کے بعد جب جہانگیر بادشاہ کے محل مین آئی تو اس کے سلیقے اور قابلیت و انتظام اور دلیری نے مردون کو مات کردیا۔ شہسواری مین مشاق شکار کھیلنے مین طاق اور نشانہ لگانے مین شہرۂ آفاق ہوئی۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیر مارا تو کسی شاعر ستم ظریف نے یہ شعر کہا اور خوب کہا

شعر نورجہان گرچہ بظاہر زن است ۔ در صف مردان زن شیر افگن است

خدا بخشے مسٹر مہدی حسن افادی اقتصادی مرحوم نے اپنے ایک خط مین جو خان بہادر میر ناصر علی اڈیٹر صلائے عام دہلی کے نام ہے۔ مہرالنسا کے ایک واقعہ کی تصویر ان الفاظ مین کھینچی ہے کہ اس سے بہتر خیال مین نہین آسکتی۔ وہ تحریر فرماتے ہین کہ ✤

"جب مہرالنسا جوان بیوہ کی حیثیت سے شاہی محل مین رہنے سہنے لگی ہے۔ لیکن ہاے وہ حسن افسردہ جو خود اپنی قوتون سے واقف ہو۔ جانتی تھی بجلی کدھر گریگی سے

کہتے ہین کہ بیگم کی کسی سہیلی کے درد زِہ ہوا جس سے اُسے سخت تکلیف تھی۔ اور بقول بعض ایک
یا لونڈی کو بچہ پیدا ہوتے وقت بے حد تکلیف تھی بیگم بھی موجود تھی۔ تکلیف نہ دیکھ سکی۔ اور
یہ کہکر اُٹھ کھڑی ہوئی بیت

اے صدف تشنہ بمیر و سوے نیسان منگر   کہ بیک قطرۂ آب بے جگرت چاک کند

ایک دفعہ ایران سے تضمین کے لیے ایک مصرع آیا۔ اکثر شعرانے کوشش کی مگر ثبوت بہم نہ پہونچ سکا
مصرع یہ تھا ع دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود + زیب النسا نے لاجواب مصرع تضمین کیا جو
ایران بھیجا گیا۔ ع

درِ ابلق کسے کم دیدہ موجود   مگر اشکان چشم سرمہ آلود

شاہ ایران نے اس لاجواب تضمین کو سن کر مصنف کا اشتیاق ظاہر کیا اور شاہ ہند کو لکھا کہ اس
شاعر کو ہمارے پاس بھیجد یجیے۔ اورنگ زیب نے زیب النسا سے کہا کہ دیکھا اسی لیے ہم شعرگوئی سے
رد کا کرتے تھے۔ بتاؤ اب کیا جواب دیا جائے۔ بیگم نے کہا جہان پناہ تردّد نہ فرمائیے۔ اور یہ رباعی
جواب مین لکھ بھیجیے۔ رباعی

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا   بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
ہمچو بو پنہان شدم در رنگ گل مانند گل   ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

عاقل خان کو رنرِ لاہور جو بیگم کا سچا جان نثار و دلدادہ تھا۔ خفیہ بیگم کے پاس باغ مین تھا۔ عالمگیر کو
پتہ لگا۔ اور وہ باغ مین جا پہونچا۔ زیب النسا نے خبر آمد شاہ سنکر عاقل خان کو ایک دیگ مین چھپا کر
منہ بند کر دیا۔ اور عالمگیر کے پوچھنے پر کہدیا کہ پانی گرم کرنے کے لیے بھرا ہوا ہے۔ عالمگیر کو پتا لگ چکا تھا
تا دیگ کے نیچے آگ جلوا دی۔ بیگم نے کسی بہانے دیگ کے پاس پہونچکر آہستہ سے کہا مصرع
دم باش شال کلہ بارے + چنانچہ عاقل خان جل کر راکھ ہو گیا اور دم نہ مارا۔
ایک دفعہ بیگم نے اپنی حرمان نصیبی کا اظہار ان اشعار مین کیا اشعار

بشکنند رستے کہ خم در گردن یارے نشد   کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد
ہر بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت   غنچۂ باغ دل ما زیب دستارے نشد

اشعار مشہور ہوے تو ناصر علی نے اور بقول بعض بیروز خان نے مصرعۂ خامس یہ لگایا۔

عالمی کور شیرازی

ایک دفعہ غزالی شاعر شیراز گیا۔ ان دنون ایک غزل کی طرح ہوئی تھی۔ غزالی کے دانتون مین درد تھا۔ اس وجہ سے غزل کہنے مین دیر ہوگئی۔ تو عالمی کور شیرازی نے یہ قطعہ کہکر سنایا۔

غزالی این سخن بردار کاندر شاعری خود را — چنان داند کہ شاگردند خاقانی و حسانش
بشیراز آمد و وقتے کہ شعرے درمیان آمد — زبہر امتحان تکلیف فرمودند یارانش
بہانہ درد دندان کرد و درمان باشدش اکنون — اگر خواہد کہ گوید شعر باید کند دندانش

(عطیۂ حضرت آسی)

زیب النسا بیگم

شاہی مشاعرے مین اکثر ایک ہی طرح مین میرزا ناصر علی علی اور مرزا محمد علی صائب و نواب عاقل وغیرہم طبع آزمائیان کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ طرح تھی۔ اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند۔ سب نے گرہ لگائی لیکن زیب النسا بیگم کے مصرعے کو سب پر ترجیح دی گئی۔

صائب ؎ مہ دو ہفتہ ہرگز با رخ دلبر نمی ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند
صائب ؎ ببین بیمار الفت را کہ بر بستر نمی ماند — 〃 〃 〃 〃
〃 ؎ دلم از مہر آن آئینہ رو در بر نمی ماند — 〃 〃 〃 〃
ناصر علی ؎ زن قحبہ درون خانہ بے شوہر نمیماند — 〃 〃 〃 〃
〃 ؎ چو میوہ پختہ شد بر شاخہاے تر نمی ماند — 〃 〃 〃 〃
〃 ؎ مسافر در سراے کاروان اکثر نمی ماند — 〃 〃 〃 〃
نعمت خان عالی ؎ ہلال عید چون ابروے آن دلبر نمی ماند — 〃 〃 〃 〃
زیب النسا ؎ مریض عشق او بسیار بر بستر نمی ماند — 〃 〃 〃 〃
〃 ؎ حباب نو عروسان در بر شوہر نمی ماند — 〃 〃 〃 〃

آخری مصرعہ شاہزادی زیب النسا کا زبانون پر ہے اور جب تک دنیائے ادب قائم ہے۔ یون ہی ضرب المثل رہیگا۔ واقعے کی تصویر کے علاوہ فصاحت کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔

حکیم نواب سید محمد مصطفٰے شفاء الدولہ

نواب شفاء الدولہ بہادر کی نسبت سید محمد کاظم صاحب انسپکٹر محکمہ چونگی لکھنؤ بیان فرماتے ہین کہ ۱۸۸۶ع مین جب میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اور مین حکیم صاحب موصوف سے پڑھتا تھا تو ایک دفعہ نواب کلب علی خان بہادر والی رامپور کا خط حکیم صاحب موصوف کی طلبی کا منشی امیر احمد مینائی خود لیکر آئے۔ حکیم صاحب نے خط پڑھا اور اُسکے جواب مین نے البدیہہ یہ شعر تحریر فرمایا **شعر**

دنیا اگر دہند نہ خیزم ز جائے خویش　　　من بستہ ام حنائے قناعت بپائے خویش

حضرت عاجز سکندر پوری

مولوی وکیل احمد عاجز سکندر پوری ناظم عدالت دیوانی ریاست حیدرآباد دکن شاگرد رشید مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی جن کا تذکرہ مولٰنا نے اپنے حاشیہ قمر الاخیار مین بھی کیا ہے۔

جناب عاجز پر غلبۂ حدیث تھا۔ نواب مولوی صدیق حسن خان مرحوم نے اپنے دربار مین اُن کو جذب کرنا چاہا۔ یہ اتفاق تھا کہ یہ بھوپال نہین گئے اور حیدرآباد دکن کا رخ کیا مگر وہان غلبۂ حدیث مین کمی واقع ہوئی مگر ان کی طلبی بھوپال سے جاری رہی۔ خط پر خط طلبی کے آئے۔ آخر مین حضرت عاجز نے عاجز ہو کر یہ رباعی لکھکر نواب صاحب موصوف کی خدمت مین بھیجدی **رباعی**

خلعت کہ ز زن رسد کفن بہتر ازو　　　راحت کہ ز زن رسد محن بہتر ازو
آن مرد کہ بر دولت زن می نازد　　　واللہ کہ در مرتبہ زن بہتر ازو

(عطیۂ مولانا نور العینین سکندر پوری)

اسیر لاہوری

اسیر لاہوری جو ایک مشہور و معروف شاعر تھے۔ ایک شب اُن کا معشوق اپنے رخسار کے نیچے اسیر کا ہاتھ رکھکر سوگیا۔ جب بیدار ہوا تو پنجہ کا نشان اس پر نمایان تھا۔ اسیر نے دیکھکر یہ مطلع کہا۔

دست بزیر روئے خود ماندہ شبے بخواب شد　　　عارضش از نشان دست پنجہ آفتاب شد

شیری

شیری بھی دربار اکبری مین ایک زبان دراز و مشہور ہجو گو تھا۔ اُس نے اکبر کی ہجو مین یہ شعر کہا شعر

شاہِ ما امسال دعوائے نبوت کردہ است　　گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

(شعر العجم جلد چہارم)

عبدالواسع جبلی

عبدالواسع جبلی کے حال مین صاحب آتشکدہ لکھتے ہین کہ سلطان سنجر جب گرجستان گیا تو دیکھا کہ جنگل مین ایک شخص اونٹ چرا رہا ہے۔ سامنے پنبہ زار ہے۔ اونٹ نے اُس طرف گردن بڑھائی۔ اُس شخص نے اُس کو روکا۔ یہ موزون فقرے اُسکی زبان سے نکلے۔ **فقرہ**

اشتر صراحی گردنا　　دانم چہ خواہی کردنا

گردن درازی می کنی　　پنبہ بخواہی خوردنا

سلطان سنجر جوہر قابل سمجھ کر ساتھ لایا۔　　(شعر العجم جلد چہارم)

اصلاح خان آرزو

علی حزین کا ایک شعر ہے **شعر**

چون سر کنم حدیث لب لعل یار را[عـــہ]　　گرداز نہاد چشمۂ حیوان بر آورم

خان آرزو نے پہلے مصرع مین یون اصلاح دی **ع**

چون سر کنم حدیثے از ان خط پشت لب

آرزو کے مصرع مین جس قدر الفاظ ہین۔ یعنی۔ حدیث، خط، پشت لب۔ سب بجائے خود فصیح ہین۔ لیکن ان کے ملانے سے یہ حالت پیدا ہو گئی کہ مصرع پڑھنے کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت ٹھوکر لگتی ہے۔ بخلاف اس کے حزین کا مصرع موتی کی طرح ڈھلکتا آتا ہے۔

[عـــہ] ترجمہ۔ جب مین معشوق کے لب کی بات شروع کرتا ہون تو چشمۂ حیوان سے گرد اُڑنے لگتی ہے (شعر العجم جلد چہارم)

کی تفصیل لکھی ۔ عسجدی کے چند شعر یہ ہین

تا شاہ خسروان سفر سومنات کرد   کردار خویش را علم معجزات کرد
جب سے شہنشاہ نے سومنات کا سفر کیا   اپنے کام کو معجزہ کا نمونہ بنا دیا
شاہا تو از سکندر بیشی بدان جہت   کو ہر سفر کہ کرد بہ دیگر جہات کرد
اے بادشاہ تو سکندر سے بڑھکر ہے کیونکہ   اُس نے جو حملے کیے اور طریقے سے کیے
تو کارہا بہ نیزۂ و تیر و کمان کنی   او کارہا بحیلۂ کلک و دوات کرد
تو نے نیزہ تیر اور کمان سے فتوحات کیے   اور سکندر نے حیلہ اور قلم و دوات سے

(شعر العجم جلد چہارم)

فرخی

سلطان محمود غزنوی کا بیٹا محمدؐ شکار کھیلنے گیا ۔ فرخی بھی ساتھ تھا ۔ محمدؐ نے بہت سے ہرن شکار کیے فرخی نے ایک ہرن کی آنکھین اور اُس کے خمدار سینگ دیکھے تو معشوق کی آنکھین اور زلفین یاد آئین وہین بیٹھ گیا اور خوب رویا کسی نے شہزادہ محمدؐ سے بھی یہ واقعہ بیان کیا ۔ اُس نے ایک نہایت خوبصورت ہرن زندہ اُسکے پاس بھیجدیا ۔ فرخی نے قصیدۂ مدحیہ مین یہ تمام حالات لکھے ۔ وہ اشعار یہ ہین

مرا ز چشم و سیہ زلف یار یاد آمد   فرو نشستم و بگریستم بزاری زار
یکے بگفت ملک را کہ فرخی بگریست   بصیدگاہِ تو بر چشم آہوے بسیار
ملک چنانکہ ز آزادگی سزد بگزید   نر آہوے چو نگارے ز بتکدۂ فرخار
دراز گردن و کوتاہ پشت گرد سرین   سیاہ شاخ و سیہ دیدہ و نکو دیدار
بمن فرستاد آنرا و معنی آن بودہ است   کہ شادمان شو ز اندوہ و دل برین بگمار

(شعر العجم جلد چہارم)

شیدا

شیدا ہندوستان کا مشہور ہجو گو تھا ۔ کسی بات پر طالب آملی سے خفا ہو کر ہجو مین یہ اشعار کہے

شب و روز مخدومنا طالبا   پے جیفۂ دنیوی در تگ است
مگر قول پیغمبرش یاد نیست   کہ دنیاست مردار و طالب سگ است

کے ذریعہ سے حضور میں بھجوایا قطعہ

در مدح بادشاہ سخن سنج ملکِ ہند | گفتم قصیدۂ کہ پسندید ہر کہ دید
اما چو روزگار مددگارِ من نہ بود | زان شاخِ گل بپائے دلم خارِ غم خلید
بودم زآب دیدۂ تر غرقِ بحرِ غم | کز غیب این ترانہ بگوشِ دلم رسید
حافظ! وظیفۂ تو دعا گفتن ست و بس | دربندِ آن مباش کہ نشنید یا شنید

اکبر نے حکم دیا کہ دس ہزار روپے اور خلعت عطا کیا جائے۔ لیکن حکم کی تعمیل میں حسب معمول دیر ہوئی۔ حیدری نے یہ قطعہ گذرانا اور فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ قطعہ

مشکلے دارم شہا! خواہم کنم پیشِ تو عرض | زانکہ زین مشکل مرا صد داغ حسرت بر دل ست
اے بادشاہ مجھکو ایک مشکل پیش آئی ہے | جس کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے
سیم و زر انعام کردی لیک از خازن مرا | ہم گرفتن مشکل و ہم ناگرفتن مشکل است
آپ نے مجھکو سیم و زر عطا کیا لیکن خزانچی سے | لینا بھی مشکل ہے اور نہ لینا بھی مشکل)

(شعر العجم جلد چہارم)

شیخ سعید قریشی

شیخ سعید قریشی ایک دفعہ عید کے دن شہزادہ مراد کے دربار میں گئے۔ اتفاق سے تہنیت کا خیال نہیں رہا۔ شہزادے نے کہا کچھ لکھکر نہیں لائے۔ شیخ نے سادہ کاغذ جیب سے نکال کر پڑھنا شروع کیا

۵ روز عید ست لب خشک مے آلود کنید | چارۂ خویشتن ہائے خشک لبان زود کنید
دیرگاہست کہ از دیرِ مغان دور نیم | زود باشید بکف جام زر اندود کنید
حرف بے صرفۂ واعظ نتوان کرد بہ گوش | گوش بر زمزمۂ چنگ و نے و عود کنید
ہست بہبودِ شما بندگی شاہ مراد | بہتر آنست کہ اندیشۂ بہبود کنید

غزل پڑھ چکا تو شہزادے نے غزل طلب کی۔ شیخ نے وہی سادہ کاغذ حوالے کیا۔ دیکھا تو بالکل سادہ تھا

عسجدی

سلطان محمود غزنوی نے جب سومنات فتح کیا تو فرخی اور عسجدی نے قصاید لکھے جن میں کل واقعات

فطرتی کشمیری

شہنشاہ جلال الدین اکبر آفتاب پرستی کرتا تھا - فطرتی کشمیری نے اس پر یہ شعر لکھے

قسمت نگر کہ در خور ہر جوہرے عطاست　　آئینہ با سکندر و با اکبر آفتاب

او کرد اگر مشاہدۂ حق در آئینہ　　این می کند مشاہدۂ حق در آفتاب

اکبر نے بارہ ہزار روپے دلوائے　　(شعر العجم جلد چہارم)

شاہ شجاع

شاہ شجاع اور اُس کے بھائی محمود مین سلطنت کے لیے جنگ رہتی تھی - اتفاق یہ کہ محمود اپنی موت سے مر گیا - شجاع نے یہ رباعی لکھی

محمود برادرم شہ شیر کمین　　میکرد خصومت از پئے تاج و نگین

میرا بھائی محمود　　مجھ سے تخت کے لیے لڑتا تھا

کردیم دو بخش تا بیا ساید ملک　　او زیر زمین گرفت و من روئے زمین

مین نے ملک کے دو حصے کردیے کہ جھگڑا چکے　　اُسنے زمین کے نیچے کا حصہ لیا اور مین نے اوپر کا

(شعر العجم جلد چہارم)

خواجۂ رشید

خواجۂ رشید کے پاس کسی نے نرگس و گلاب کے گلدستے بھیجے خواجۂ موصوف نے برجستہ کہا ؂

شاخکے چند نرگس رعنا　　گلکے چند تازہ چیدہ

آن ہمہ دیدہائے بے چہرہ　　وین ہمہ چہرہائے بے دیدہ

(شعر العجم جلد چہارم)

حیدری تبریزی

حیدری تبریزی نے اکبر کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا - لیکن پیش نہ کر سکا - مجبوراً یہ قطعہ لکھکر دربار یون
خزانہ عامرہ مین تعجب ہے کہ یہ اشعار فیضی کی طرف منسوب ہین -

مثنوی لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے شعر

ہمائے کہ بر چرخ کردے خرام　　　گرفتی و آزاد کردی ز دام

خانخانان نے پندرہ ہزار روپے انعام دیے۔ لطف یہ کہ مرزا جانی نے بھی ایک ہزار اشرفی دی اور کہا کہ تمہارا احسان ہے کہ تم نے مجھکو ہما کہا ورنہ اگر شغال کہتے تو مین تمہارا کیا کرتا۔ (شعر العجم جلد چہارم)

دیوانہ

شاہ اورنگ زیب نے باغ فرح بخش بنوانے کا حکم دیا۔ جسکی تعمیر کا اہتمام نعمت خان عالی کے سپرد تھا۔ یہ پرفضا اور دلکشا باغ ابھی زیر تعمیر ہی تھا۔ کہ اس کی تعریف سن کر ایک شاعر دیوانہ کو بھی اُس کی سیر کا اشتیاق پیدا ہوا۔ یہ ایک دن در باغ پر آیا اور اندر جانے کا قصد کیا مگر نعمت خان عالی کے حکم سے دربانون نے اُس کو روکا اور اندر جانے سے باز رکھا۔ یہ غریب اُس وقت تک باغ ہی کے دروازے پر بیٹھا رہا۔ جب تک باغ بن کر تیار نہ ہوا۔ جب باغ بن کر تیار ہو گیا تو بادشاہ نے اسکی تاریخ کی عام فرمایش کی۔ اس دیوانے نے بھی درخواست کی کہ اس شرط پر مین تاریخ کہنے پر تیار ہون کہ جو درخواست مین کرون وہ منظور فرمائی جائے۔ حکم ہوا کہ اگر جایز درخواست ہوگی تو منظور کی جائیگی۔

جب باغ فرح بخش مین دربار عام ہوا۔ اور سب شعرا نے اپنی اپنی تاریخین پڑھین۔ جب اس دیوانے کی باری آئی۔ اس نے یہ قطعۂ تاریخ پڑھا۔ عالمگیر سن کر وجد مین آگیا۔ قطعۂ تاریخ یہ تھا قطعہ

در باغ فرح بخش گذر کن شاہا　　　برلالہ و یاسمین نظر کن شاہا

نعمت خان برائے سال تاریخ　　　از باغ فرح بخش بدر کن شاہا

بادشاہ نے فوراً نعمت خان عالی کو حکم دیا کہ تم نکل جاؤ۔ وہ دیوانہ اپنا بدلا لیکر صحرا کی طرف چل دیا۔

(از سید محمد اعظم)

شانی تکلو

شاہ عباس ماضی نے اس شعر کے صلے مین شانی تکلو کو چاندی مین تلوا دیا۔ شعر ملاحظہ ہو شعر

اگر دشمن کشد ساغر و گر دوست　　　بہ طاق ابروے مستانۂ اوست

(شعر العجم جلد چہارم)

قطعہ حبذا قصر شید کہ ز فرط عظمت — آسمان پایۂ از سدۂ این درگاہ است
آسمان ہم نتوان گفت کہ ترک ادب است — قصر سلطان جہان احمد بہمن شاہ است

ملا شرف الدین مازندرانی جو مشہور خوشنویس تھا اُس نے اس قطعہ کو لکھا اور سنگ تراشون سے کندہ کراکے عمارت کے صدر دروازے پر لگایا۔ سلطان احمد کی نظر جو اُس پر پڑی تو پوچھا کس کے شعر ہین۔ شہزادۂ علاء الدین نے آذری کا نام لیا اور کہا ان کو اپنے وطن جانے کی آرزو ہے۔ سلطان نے اُسی وقت چالیس ہزار روپے منگواکر آذری کے سامنے رکھوا دیے آذری نے کہا لاتحمل عطایاکم اِلاَّ مطایاکم۔ سلطان نے بیس ہزار روپے اور دلوائے۔ (از شعر العجم جلد چہارم)

دانش مشہدی

دارا شکوہ نے اس شعر پر دانش مشہدی کو ایک لاکھ روپے دلوائے تھے **شعر**

تاک را سرسبز کن ای ابر نیسان در بہار — قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود

(از شعر العجم جلد چہارم)

مولانا جمال الدین

مولانا جمال الدین سلطان محمد تغلق کی مدح مین قصیدہ لکھکر لیگئے۔ مطلع تھا۔ **مطلع**

الٰہی تا جہان باشد نگہدار این جہانبان را — محمد شاہ تغلق ابن تغلق ابن سلطان را

مطلع پڑھا تھا کہ سلطان نے روک دیا اور فرمایا کہ مین باقی اشعار کے صلہ دینے سے عاجز ہون یہ کہکر اشرفیان منگوائین اور حکم دیا کہ مولانا کے قدم سے سر تک ڈھیر لگا دیا جائے۔ اشرفیان سر تک پہونچین تو مولانا کھڑے ہوگئے۔ سلطان کو یہ ادا نہایت پسند آئی۔ دوبارہ اشرفیان منگواکر حکم دیا کہ قدآدم ڈھیر لگا دیا جائے۔ (از خزانۂ عامرہ و شعر العجم جلد چہارم)

مولانا شکیبی

خان خانان نے جب سندھ فتح کیا۔ اور وہان کے حاکم مرزا جانی کو گرفتار کرکے دربار مین لایا تو شکیبی نے

چون قضائے حق رضائے بندہ شد　　حکم اورا بندۂ خواہندہ شد

توخدا کی مرضی اور بندے کی خواہش ایک ہی چیز ہے اسلیے مین وہی چاہتا ہون جو ہو رہا ہے اور ہوتا ہے
یعنی مین نے اپنی خواہش رغبت آرزو کو رضائے الہی مین فنا کر دیا ہے۔ اس لیے زمین آسمان مین جو کچھ
ہوتا ہے مجھکو نظر آتا ہے کہ میری مرضی کے موافق ہو رہا ہے اس لیے مین وہ ہون کہ

سیل و جو را بر مراد او روند　　اختران زان سان کہ او خواہد شوند

دریا اور سیلاب میری ہی مرضی کے مطابق چلتے ہین ستارے میرے کہنے کے مطابق گردش کرتے ہین

بے رضائے او نیفتد ہیچ برگ　　بے قضائے او نیاید ہیچ مرگ

میری مرضی کے بغیر ایک پتہ درخت سے نہین گرتا میری مرضی کے بغیر کوئی موت واقع نہین ہوتی

بے مراد او نہ جنبد ہیچ رگ　　در جہان اوج ثریا تا سمک

میری مرضی کے بغیر زمین سے آسمان تک　　ایک رگ بھی جنبش نہین کر سکتی (از شعر العجم جلد پنجم)

مہدی کوکب

ایک دفعہ نادر شاہ کے ہمرکاب مہدی کوکب بھی گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ اتفاق سے اس کا گھوڑا نادر شاہ کے گھوڑے سے آگے بڑھ گیا۔ نادر شاہ کے تیورون پر بل پڑ گئے اور یہ جملہ اُسکی زبان سے نہایت غصے مین نکلا "ہوش باش کوکب"، یہ سن کر کوکب کے ہوش جاتے رہے۔ مگر اُسی بدحواسی کے عالم مین فوراً یہ شعر موزون کر کے پڑھا۔ ؎

من آن ستارۂ صبحم کہ در طریق ادب　　ہمیشہ پیش رو آفتاب می باشد

اس شعر کو سن کر نادر شاہ کا غصہ فرو ہو گیا۔ اور خلعت و انعام سے سرفراز فرمایا۔ چونکہ کوکب تخلص تھا اس اعتبار سے اپنے کو 'ستارۂ صبح' کہا جو انتہائے کمال کی دلیل تھی۔ اے سبحان اللہ

(از بابو مہادیو پرشاد انجم۔ بی۔ اے)

علامۂ آذری

احمد شاہ بہمنی والی دکن نے جب ایوان امارت تعمیر کرایا تو آذری نے یہ قطعہ لکھا

جہانگیر کے دربار مین اخیر زندگی تک اس نے نہایت عزت واحترام سے بسر کی صرف ایک موقع ایسا پیش آیا کہ کسی بات پر جہانگیر ناراض ہوگیا۔ اور طالب چند روز تک شرف حضوری سے محروم رہا اس واقعہ کو نہایت لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے

بہ نسبت گہرم دادہ بودی از کف خویش	ترازجو دریا نے چنین ہزار افتاد
مجھکو موتی سمجھکر تو نے پھینک دیا تھا	سخاوت کی وجہ سے ایسے نقصان تو نے بہت اُٹھائے ہین
چو دستدم زکفت چرخم از ہوا بربود	بہ گرمیی کہ زبانم بہ زینہار افتاد
جب تو نے مجھکو پھینک دیا تو آسمان نے اٹھا لیا	اس گرمجوشی کے ساتھ کہ خود مین پناہ مانگنے لگا
یکے مقابل خورشید داشت آئینہ ام	بدیدہ کز عرقش موج بر عذار افتاد
تھوڑی دیر تک آسمان نے میرے آئینے کو آفتاب	کے سامنے رکھا اور دیکھا کہ آفتاب کے چہرے پر پسینہ آگیا
چو پیش مشعل مہ برد شب چراغ مرا	بچہرہ گونہ کاہیش شمع وار افتاد
پھر چاند کی مشعل کے سامنے کیا	اس کا چہرہ شمع کی طرح زرد پڑگیا
ازین نشاط مگر دست آسمان لرزید	کہ باز در کف خاقان کامگار افتاد
اس خوشی سے آسمان کا ہاتھ کانپا	اور دوبارہ مین بادشاہ کے ہاتھ پر گرا
کنون برشتہ مہرش بدار کز تقدیر	دوبارہ در کفت این در شاہوار افتاد
اے بادشاہ اب مجھکو محبت کی لڑی مین پرولے	کیونکہ دوبارہ یہ موتی تیرے ہاتھ سے گرچکا

طالب نے ۱۰۳۶ھ مین عین شباب مین وفات پائی (از شعر العجم حصۂ سوم)

مولانا روم رح

حضرت بہلول رح نے ایک درویش سے پوچھا تھا کہ تمھاری زندگی کیسی گذرتی ہے۔ درویش نے کہا تمام عالم میرے اشارون پر چل رہا ہے۔ بہلول نے اس اجمال کی تفصیل پوچھی۔ درویش نے جواب دیا۔ **ابیات**

این قدر بشنو کہ چون کلی کار	می نگردد جز بہ امر کردگار
یہ سن لو کہ جب تمام کام	اُسی کے حکم سے ہوتے ہین

با من چہ برابری کنی تو | چون بندۂ بندۂ منی تو

قصہ یہ ہے کہ سکندر با فوج وحشم جا رہا تھا ایک ویرانے مین ایک بڈھا نظر آیا۔ سکندر اُس کے پاس گیا لیکن وہ خبر نہ ہوا سکندر نے اُس کو ڈانٹ کر کہا کہ تو جانتا نہین کہ مین سکندر ہون میری تعظیم کیون نہین کی۔ بڈھے نے کہا کہ میرے دو غلام لالچ وحرص (یعنی ان دونون کو مین نے مغلوب کر لیا ہے) یہ دونون تجھ پر حکومت کر رہے ہین۔ جب تو میرے غلامون کا غلام ہے تو میری برابری کیا کر سکتا ہے۔ (شعر العجم جلد پنجم)

تمتہ ملک الشعرا طالب آملی

طالب آملی جب ہندوستان آیا تو دلی۔ لاہور۔ ملتان۔ ان شہرون مین وہ رندانہ وضع سے رہا اور خرمن حسن کی خوشہ چینی کرتا رہا۔ خوش قسمتی سے حسینون نے بھی اپنے پہلو مین اُسے جگہ دی۔ چنانچہ جب ہندوستان چھوڑ کر قندھار جانے لگا ہے تو جس گرمجوشی سے ان فتنہ گردن نے اُسکو روکنا چاہا ہے اُسکی تصویر اپنے جادو نگار قلم سے اس طرح کھینچی ہے۔ ؎

نگاران لاہور و خوبان دلی | بدل کردہ بودند پیوند جانم
یکے چہرہ سودے بچشم رکابم | یکے بوسہ دادے بزلف عنانم
فشاندے یکے در بغل یاسمینم | نہادے یکے در دہان برگ پانم
غزالان ملتان بہ نیرنگ سازی | کہ بندند از غمزہ دست و دہانم
من از جملہ چون نکہت گل گریزان | کہ خود را بہ بزم ہمایون رسانم

شاپور طہرانی ایک مشہور شاعر تھا۔ اس کا باپ اعتماد الدولہ کا جو نورجہان بیگم کا باپ تھا حقیقی چچا تھا۔ وہ تجارت کرتا تھا۔ اور اس تقریب سے اکثر اعتماد الدولہ کے ہان آمد و رفت تھی۔ طالب نے شاپور سے راہ و رسم پیدا کی۔ لاہور مین اس سے جا کر ملا۔ ایک غزل مین اس واقعہ کا ذکر یون کیا ہے

؎ بحمد اللہ کہ در ملک سخن دستور را دیدم | ہمان رشک عطار د شاعر مشہور را دیدم
بہ خسرو داشتم روے نیازے در سخن طالب | از دو در سوختم چون صفت شاپور را دیدم
چہ خوش حالم کہ بعد از مدت یکسالہ مہجوری | خوش و خوش وقت او را دیدم و لاہور را دیدم

غفّاری رازی

سلطان محمود کی فرمایش سے غفّاری رازی نے ایاز کی شان مین اشعار لکھے اور گران بہا صلہ پایا چنانچہ قصیدۂ لامیہ مین کہتا ہے - اشعار

مرا دو بیت بفرمود شہریار جہان — بران صنوبر عنبر عذار مشکین خال
دو بدرہ زر بفرستاد دو ہزار درم — بہ رغم حاسد و تیمار بدسگال نکال

(شعر العجم جلد پنجم)

میر حسینی

سکندر اور دیو جانس کلبی کے واقعہ کو میر حسینی نے زاد المسافرین مین نہایت پر اثر طریقے سے لکھا ہے-

مثنوی

این طرفہ حکایت ست بنگر — روزے ز قضا مگر سکندر
می رفت و ہمہ سپاہ با او — وان حشمت و ملک و جاہ با او
ناگہ بہ خرابۂ[1] گذر کرد — پیرے ز خرابہ سر بدر کرد
پیرے نہ کہ آفتاب پر نور — در چشم سکندر آمد از دور
پرسید کہ این چہ شاید آخر — وین کیست کہ مے نماید آخر
در گوشۂ این مغاک[2] دلگیر — بیہودہ نباشد این چنین پیر
خود آمدہ آن مغاک چون گو — پیر از سر وقت خود نشد دور

خود اس غار کی طرف بڑھا لیکن بڈھا خبر بھی نہ ہوا

چون باز نہ کرد سوے او چشم — ناگاہ سکندرش بصد خشم
گفت اے شدہ غول این گذرگاہ — غافل چہ نشستۂ درین راہ
بہر چہ نہ کردی احترامم — آخر نہ سکندر است نامم
پیر از سر وقت بانگ برزد — گفت این ہمہ نیم جو نیرزد
نہ پشت و نہ روے عالمی تو — یک دانہ ز کشت آدمی تو
دو بندۂ من کہ حرص و آزند — بر تو ہمہ روز سرفرازند

[1] ویرانہ
[2] غار

ہیش کی جس کا ایک شعر یہ ہے **شعر**

اے خاک درت صندل سر گشتہ سران را　　بادا مژہ جاروب رہت تاجوران را

جہانگیر نے اس کے صلے مین تین ہزار بیگہ زمین انعام مین دی - (از سرو آزاد و ید بیضا)

ایک دفعہ نظیری نے خانخانان سے کہا کہ لاکھ روپے کا ڈھیر لگایا جائے تو کس قدر ہو گا - مین نے کبھی نہین دیکھا - خانخانان نے لاکھ روپے منگوا کر سامنے رکھوا دیے - نظیری نے کہا خدا کا شکر ہے آپ کے بدولت مین نے لاکھ روپے تو دیکھ لیے - خانخانان نے روپے اُسکے گھر بھجوا دیے -

(شعر العجم حصۂ سوم)

طالب آملی

طالب آملی دربار ملکش خان گورنر مرو سے جب رخصت ہوا تو سیدھا ہندوستان کا راستہ لیا - اور اُس وقت یہ رباعی لکھی **رباعی**

گل این چمن بہ بستان بگذار　　بگذار کہ می شوی پریشان بگذار

ہندو نہ برد تحفہ کس جانب ہند　　بخت سیہ خویش بہ ایران بگذار

مطلب یہ کہ ہندوستان مین کالی چیز تحفہ لیکر نہین جاتے اس لیے بخت سیہ یہین چھوڑ کر چلنا چاہیے

(از تذکرہ میخانہ)

جہانگیر نے ایک دفعہ نشے کی ترنگ مین حکم دیا کہ مقربان خاص ڈاڑھی ترشوا کر شریک صحبت ہون طالب نے اس حکم کی تعمیل سے سرتابی کی اور گھر مین بیٹھ رہا - ایک قطعہ لکھکر بھیجا جس مین غیر حاضری کی یہ معذرت کی - **ابیات**

تراشید گاننہ یک سر سیاہ　　کسے را جز من تُبرہ پرکاہ نیست

بہ بزمے کہ موے نگنجد درو　　شدن با دو گز ریش دلخواہ نیست

بہشت ست بزم تو و در بہشت　　من ناتراشیدہ را راہ نیست

یعنی ایسی محفل مین جہان ایک بال کی گنجایش نہین دو گز ڈاڑھی لیکر جانا کچھ اچھا معلوم نہین ہوتا - آپکی محفل بہشت ہے اور بہشت مین مجھ ناتراشیدہ کا گذر نہین ہو سکتا -

(از شعر العجم)

ناکردہ گناہ در جہان کیست بگو | وان کس کہ گنہ نہ کرد چون زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی | پس فرق میان من و تو چیست بگو

شاہ ابو اسحٰق

مولانا شبلی مرحوم شعر العجم جلد دوم مین تحریر فرماتے ہین کہ شاہ ابو اسحاق فرمانروائے شیراز کی عیش پسندی حد سے بڑھ گئی تو ۷۵۴ھ ہجری مین محمد مظفر نے اسپر لشکر کشی کی۔ فوجین شہر پناہ کے دامن مین آگئین۔ لیکن ابو اسحٰق کو کوئی خبر نہین کر سکتا تھا۔ امین الدین نے کہ مقرب خاص تھا ابو اسحاق سے کہا کہ جوش بہار نے شہر کو چمنستان بنا دیا ہے۔ حضور ذرا بالاخانے پر چل کر سیر فرمائین۔ ابو اسحاق نے بالاخانے پر چڑھکر دیکھا تو چارون طرف فوجین محاصرہ کیے ہوئے ہین۔ پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگون نے عرض کیا کہ شاہ مظفر کا لشکر ہے۔ مسکرا کر کہا عجب احمق ہے۔ اس بہار مین یون اوقات خراب کرتا ہے۔ یہ شعر پڑھکر نیچے اتر آیا۔ **شعر**

بیا تا یک امشب تماشا کنیم | چو فردا شود فکر فردا کنیم

غرض مظفر نے شیراز فتح کر لیا اور شاہ ابو اسحاق قتل کر دیا گیا۔

ابن یمین فرلویدی

ابن یمین فرلویدی نے جنکی شاعری کے قدردان علاء الدین محمد وزیر السلطنت خراسان تھے آخر مین شاہی تعلقات سے کنارہ کش ہو کر فقر و قناعت اختیار کی۔ تھوڑی سی زمین قبضہ مین تھی اُسی کی کاشتکاری سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ۸ جمادی الثانی ۷۶۹ھ مین وفات پائی۔ مرتے وقت یہ رباعی لکھی تھی۔ **رباعی**

منگر کہ دلِ ابن یمین پرخون شد | بنگر کہ ازین سرائے فانی چون شد
مصحف بہ کف و چشم براہ و روے بدوست | با پیکِ اجل خندہ زنان بیرون شد

نظیری نیشاپوری

شہنشاہ جہانگیر نے ایک دفعہ اس سے ایک عمارت کے کتابہ کی فرمائش کی۔ اس نے ایک غزل لکھکر

کہنی اُس کی ران پر ہے اور وہ ہتیلی پر زنخدان کو تھامے ہوے ہے۔ چوتھے مصرع مین کہتا ہے کہ اس عالم مین جو گرہ اسکی پیشانی پر پڑی ہے۔ وہ بعینہ ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے بستر سنجاب پر قاقم۔
بدر چاچ کی خصوصیات مین داخل ہے کہ وہ تشبیہات اور استعارات سے مطلب اس خوبصورتی سے ادا کر جاتا ہے کہ دیکھنے والے محو حیرت ہو کر رہ جاتے ہین اور اُس کی شاعری کو معمہ کہتے ہین اس صنف نازک کا وہ بلا شرکت غیرے مالک ہے۔

امیر معزّی

سلطان سنجر ایک دفعہ ارکان دولت کے ساتھ عید کا چاند دیکھنے نکلا سب سے پہلے ہلال پر اُسی کی نظر پڑی۔ خوشی سے اچھل پڑا۔ سب کو اُنگلی کے اشارے سے بتایا۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ کوئی شاعر ہلال کی تعریف مین شعر سنائے۔ معزی اُس وقت تک دربار مین امید داری کرتا تھا۔ موقع پا کر اُس نے برجستہ کہا ؎

اے ماہ چو ابروان یاری گوئی　　یا ہمچو کمان شہریاری گوئی
نعلے زدہ از زرِ عیاری گوئی　　در گوش سپہر گوشواری گوئی

یعنی اے چاند تو ابروے معشوق ہے' یا بادشاہ کی کمان، یا سونے کا نعل۔ یا آسمان کے کان کا آویزہ۔ (شعر العجم جلد اول)

عمر خیام

مشہور ہے کہ ایک دفعہ خیام کی صراحی اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی اور ٹوٹ گئی۔ اس پر اس نے رباعی لکھی۔ رباعی

ابریق مرا چرا شکستی ربّا　　بر من درِ عیش را ببستی ربّا
بر خاک بریختی مے لعل مرا　　خاکم بدہن کہ بخت مستی ربّا

کہتے ہین کہ اس گستاخی پر خدا نے اُس کو سزا دی۔ اور اُس کی گردن کج ہو گئی۔ اس پر اُس نے برجستہ کہا۔ رباعی۔

بدر چاچ

ہمارے دوست نواب اصغر حسین عرف لڈن صاحب بیان کرتے ہین کہ بدر چاچ نے کسی کافر ادا گیسوؤن والے کو نہا کر بالون کو نچوڑتے دیکھا - اور جب اُس عربدہ جو نے باتون کو نچوڑ کر پس پشت بال ڈال دیے - بیساختہ یہ شعر اسکی زبان پر جاری ہوگیا **شعر**

فشردہ پنجۂ مرجان ز ابر مروارید قمر ز جیب شب اشکبار پیدا شد

اسمین شک نہین کہ شاعر نازک خیال نے اس شعر مین وہ تصویر کھینچ دی کہ مانی و بہزاد بھی دیکھتے تو سکتے مین آجاتے - وہ کہتا ہے کہ پنجۂ دست حنائی سے اُس نے بالون کو نچوڑا تو موتی ٹپکنے لگے - (یہان ابر کو بالون سے تشبیہ ہے اور قطرون کو موتی کہا ہے) اور جب اُس نے بالون کو نچوڑ کر پس پشت ڈال دیے تو چاند (یعنی رخ) جیب شب اشکبار سے پیدا ہوا - جیب شب اشکبار کی کیا تعریف ہو - شب اشکبار تو ظاہر ہے کہ اُن کافر بالون سے تشبیہ دی ہے جن سے قطرے ٹپک رہے ہین - مگر جیب کا لفظ کیون کہا - ہم نے اور ہمارے قابل دوست نواب اصغر حسین نے دیر تک اس لفظ پر سر مارا - آخر یہ معما یون حل ہوا کہ بالعموم بال نچوڑنے اور کنگھی کرتے وقت بیچ مین ایک ہلکی سی لکیر پڑ جاتی ہے جو دونون زلفون کو الگ کرتی ہے اُس کی صورت بعینہ چاک جیب کی ہوتی ہے - اس نزاکت خیال کے صدقے سبحان اللہ - یہ تصویر تو آپ ملاحظہ فرما چکے - اب دوسری تصویر معشوق کے حزن و ملال کی ملاحظہ فرمائیے **شعر**

لولو ز نرگس فرو بارید گل را آب داد وز تگرگ روح پرور تابش عناب داد

سقف استون بلورین سیب خارزی گرفت گوشۂ قاقم گرہ بر بستر سنجاب داد

لولو کو قطرۂ اشک اور نرگس کو آنکھ اور گل کو رخسار کہا ہے - مطلب یہ کہ محبوب افسردگی کی حالت مین بیٹھا رو رہا ہے - اور رخسار اُسکے جو افسردگی کی وجہ سے کملائے ہوئے ہین - اُن کو پانی دیا جا رہا ہے - تگرگ اولون کو کہتے ہین جن سے دانتون کو تشبیہ ہے - عناب سے مراد لب شیرین ہے - یعنی وہ دانتون سے ہونٹون کو چبا رہا ہے - اب تیسرے مصرع مین سقف استون بلورین سے مراد معشوق کی کہنی ہے - سقف سے تشبیہ ہاتھ کی ہتیلی سے ہے - سیب خارزمی سے مراد زنخدان ہے - یعنی وہ اس صورت سے بیٹھا ہے کہ

بذاتِ او صفاتِ کردگار ست　　　　که خود پنہان و صفش آشکار است

(عطیہ حضرت زاہد سہارنپوری)

لطیفہ

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے مین ایک شخص نے دعوے نبوت کا کیا اور ہر کوچہ و بازار مین کہتا پھرتا تھا اَنَا رَسُولُ اللہ - لوگ اُسکو قاضی شہر کے پاس لے گئے - قاضی شہر نے وزیر جعفر کے سامنے پیش کیا - وزیر نے خلیفہ کے روبرو اُسے پیش کر دیا -

خلیفہ نے سوال کیا کہ تم دعوے نبوت کرتے ہو؟

جواب دیا کہ ہان مین نبی آخرالزمان ہون - پوچھا کہ کوئی معجزہ بھی دکھا سکتے ہو - کہا کہ ہان - وزیر جعفر جو اس دربار مین کرسی وزارت پر متمکن ہے اسکا سر تلوار سے اُڑا دیا جائے - مین ابھی زندہ کیے دیتا ہون - خلیفہ کچھ حکم دیا ہی چاہتا تھا کہ وزیر جعفر کرسی سے اُتر کر آیا اور اُسکے قدم لیکر کہا کہ خلیفہ کو اختیار ہے کہ وہ آپ کی نبوت کے قائل ہون یا نہون مگر مین تو آپ پر ایمان لا چکا - ﷲ جلد اپنا کلمہ بتائیے -

وزیر کی اس تقریر پر وہ شخص ہنس پڑا اور کہا کہ ایک مدت سے میری آرزو تھی کہ دربار مین حاضر ہون - مگر کوئی ذریعہ رسائی کا نہ ہوا - آخر مین نے مجبور ہو کر یہ طریقہ اختیار کیا - جس سے خلیفہ کی زیارت اور دربار کی شرکت کا فخر حاصل ہوا - خلیفہ بھی اُس کی جودت طبع اور تیزی ذہن پر مسکرا دیا - اور انعام دے کر رخصت کیا -　　　　(عطیہ حضرت امید امیٹھوی)

خواجۂ آصفی

سلطان حسین خان بہادر کے عہد مین خواجۂ آصفی کا وظیفہ بانوے سلطان آقا بیگم نے کچھ غلہ مقرر کر دیا تھا جس سے اُن کی اوقات بسر ہوا کرتی تھی - ایک سال غلہ نہ ملا تو خواجہ آصفی نے یہ شعر بیگم کی خدمت مین لکھکر پیش کیے -

اشعار

ایا عروس خطا بخش جرم پوش بگو　　　　کہ کے وظیفۂ ما را قرار خواہی داد

بوقت غلہ مرا گفتئی کہ باز دہم　　　　سرم فدائے درت چند بار خواہی داد

بیگم نے حکم دیا کہ فوراً غلہ مقررہ دیا جائے -　　　　(عطیہ حضرت زاہد)

خدایگان افاضل نظام ملت و دین　　کہ با تو جرح ستیزہ نمائے نستیزد
تو آن حکیم مسیحا دمی کہ در ایام　　زبیم دفع تو علت زخلق بگریزد
مراست نالشے از ضعف پشت وسستی باہ　　کزین سبب دل مسکین بخون درآمیزد
سہ چار ہفتہ شدہ اے حکیم تا آن عضو　　بجائے لیک کہ زشہوت بود نیانگیزد
نمی شود بکسے ملتفت درین ایام　　دگر ز جبل دمے با کسے درآمیزد
ہنوز تا شدہ اندر سرائے چون مستان　　زبا نقیدہ وقتے از دہان فسرو وریزد
خروس وار سحر خیز بودہ و حالا　　چو ماکیان ز سر بیضہ بر نمی خیزد
ز بادکبر چنان سر بزرگ دخود را لیت　　کہ بہر ہیچ کس از جائے بر نمی خیزد
خدائے را من دل خستہ را دوائے کن　　دگر نہ یار شبینم چو بخت بگریزد

حکیم موصوف نے نسخہ تجویز فرماکر نظم مین جواب دیا۔ ــــ

زہے ستودہ خصالے کہ گاہ نظم سخن　　ز ابر طبع لطیفت گہر ہمی ریزد
سوال کردہ از ضعف پشت وسستی باہ　　زہے لطیف سوالے کہ لطف انگیزد
ز دارچینی و ہلیون و روغن پستہ　　بزنجبیل بکوبد خورش و فرو بیزد
ز زعفران و سقنقور و مغز چلغوزہ　　بمشک و عنبر مغز چغوک آمیزد
زنارجیل و شقاقل ز بہمن و خرفہ　　بشہد ناب ہمہ ادویہ بیامیزد
غذائے خود ز قلایائے نرگسی سازد　　بشرط آنکہ ز دیگر غذا بپرہیزد
ہر صباح ازین حصہ یک درم بخورد　　کہ گردہ سخت کند باہ را برانگیزد
بہ ہفتہ دگر آن عضو آن چنان گردد　　کہ از صلابت او نرہ شیر بگریزد
ہر آن نگار سمن بر کہ ضرب او بیند　　چنان مطیع تو گردد کہ باز نستیزد

حضرت ماہر اکبرابادی

شیخ محمد علی ماہر اکبرآبادی نے جہان آرا بیگم دختر شاہجہان کی مدح مین مثنوی کہکر بیگم صاحبہ موصوف کی خدمت مین بھیجی تو بیگم کو یہ مطلع بہت پسند آیا اور ماہر کو پانچ ہزار صلہ عطا فرمایا۔

دالے محوحیرت رہ گئے۔ اب اُدھر کا حال سنیئے کہ جب سے خادمہ یہ پیام لائی تھی۔ وہ دلریش بھی مثل ماہی بے آب تڑپ رہی تھی اور دل ہی دل مین کہہ رہی تھی کہ ہائے مین نے یہ کیا غضب کیا کیون ایسا جواب لکھا۔ کیا عجب ہے کہ میری تحریر دیکھتے ہی وہ بیمار تپ فراق اپنی جان دیدے یہ خیال آنا تھا کہ اس نے بھی اک آہ سرد کھینچی۔ اور دم نکل گیا۔ اُدھر اُس پیامبر نے اُس دختر ترسا کو یہ خبر جاکر سنانے کا ارادہ کیا تھا۔ اور اُس کے مکان پر پہونچا تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ اُس نے بھی ابھی ابھی اپنے عاشق کا ساتھ دیا۔

بیرامخان خانخانان

بیرامخان شاعر یگانہ تھا۔ اس نے ایک قصیدے کا مطلع یہ کہا۔ ؎

شہے کہ بگذرد از نہ سپہر افسر او　　　اگر غلام علی نیست خاک بر سر او

غلام علی آزاد خزانہ عامرہ مین لکھتے ہین کہ اگر مین اُس وقت ہوتا تو اس مطلع کو نقد جان کے عوض خرید تا کیونکہ میرے نام سے مناسبت رکھتا ہے

بنائی ہروی

بنائی موصوف نے امیر علی شیر کی مدح مین قصیدہ لکھا۔ لیکن خاطر خواہ صلہ نہ ملا۔ اس لیے کچھ الفاظ بدل کر سلطان احمد مرزا کی شان مین بدل دیا۔ اور یہ قطعہ امیر علی شیر کے پاس جو عنین مشہور تھا بھیجکر وطن سے چل دیا **قطعہ**

دخترانے کہ بکر فکر من اند　　　ہر یکے را بہ شوہرے دادم
آن کہ کابین نداد و عنین بود　　　زو کشیدم بہ دیگرے دادم

شاہ شجاع و حکیم نظام الدین

شاہ شجاع کو ضعف باہ کی شکایت ہوئی تو حکیم نظام الدین طبیب مصر کو یہ قطعہ لکھا اور کیفیت بیان کی۔ **قطعہ**

لا اعلم

کہتے ہین کہ ایک عاشق صادق بغداد کے چوک مین بستر لگائے دیوانہ وار بڑے سوز وگداز سے پڑھ رہا تھا بیت

درعشق تو انگشت نمائے زن و مردم — ہر لحظہ فزون ست زسودائے تو دردم

اُس غریب ہجران نصیب آوارۂ وطن کے حال زار پر دیکھنے والون کو رحم آیا۔ ترس کھا کر پوچھا کہ او زخمی سنان فراق تیرا کیا حال ہے۔ کس پری وش زیبا جمال کے چھٹنے کا ملال ہے۔ کس کے شمع جمال کا پروانہ ہے تجھے خدا کی قسم سچ بتا کس کا دیوانہ ہے۔ یہ سنکر اُسکی آنکھون مین آنسو بھر آئے۔ اور بھرائی ہوئی آواز مین جواب دیا کہ "احمد دہقان کی سرائے مین جو محلۂ حجاج مین ایک ترسا کا مکان ہے اس مکان مین دختر ترسا ہے جس نے مجھ حرمان نصیب کو ترسا رکھا ہے۔ جس کی قاتل اداؤن نے میرے دل بے تاب کو تڑپا رکھا ہے۔ آہ میری پر درد آہون مین کچھ بھی اثر نہین جس تغافل شعار پر مر رہا ہون اُسے میری مطلق خبر نہین۔ خدا کے لیے میرا یہ پیام اُس بت ترسا تک پہونچا دو اور میری طرف سے اُس کو یہ سنا دو رباعی

درعشق تو ام طاقت تنہائی نیست — در ہجر تو ام روئے شکیبائی نیست
تا وسع و توان بود تحمل کردم — دیگر چہ کنم وسع و توانائی نیست

کسی اہل دل نے ترس کھا کر۔ اور اُس کے بتائے ہوئے پتے پر جاکر اُس مکان پر دستک دی۔ اندر سے ایک خادمہ نکلی۔ اُس سے اس نے اس ہجر کشتۂ فراق کا پیام دیا اور اُس کی تباہی اور بیتابی کا کل حال کہہ سنایا۔ خادمہ یہ سن کر اندر واپس گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد آکر کہا کہ اُس محبوبہ نے یہ جواب دیا ہے۔ اُس کو جاکر سنا دو۔ رباعی

درعشق کسے را کہ توانائی نیست — در ہجر تحمل و شکیبائی نیست
مرگ است علاج او و بیرون از مرگ — ہر مصلحت دگر کہ فرمائی نیست

پیامبر نے جب یہ پیام اُس منتظر جواب کو سنایا وہ بیمار فراق اس کے سننے کی تاب نہ لایا۔ ایک آہ سرد کھینچی اور جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ اس حادثہ روح فرسا اور عشق کی کرشمہ سازی کو دیکھکر دیکھنے

کس کا مالدار ہے۔ عرض کیا جس کا باپ شاہ کا وزیر ہے۔ شاہ نے معلم کی تحسین کی اور سید جلال سے فرمایا کہ کچھ لکھو تاکہ ہم تمہارا خط دیکھیں۔ سید جلال نے فی البدیہہ یہ قطعہ کہکر اور لکھکر پیش کیا

قطعہ
چار چیزاست کہ در سنگ اگر جمع شود — لعل و یاقوت شود سنگ بدان خارائی
پاکی طینت و اصل و گہر و استعداد — تربیت کردن مہر از فلک مینائی
با من این ہر سہ صفت ہست ولے می باید — تربیت از تو کہ خورشید جہان آرائی

شاہ اُس کے حسن خط اور تیزی ذہن اور موزونی طبیعت کو دیکھکر حیران رہ گیا اور اُس کے باپ سے عقید سے فرمایا کہ اس لڑکے کی تعلیم و تربیت مین کمی نہ کرنا۔ کسی وقت کامل ہوگا۔ اور دس ہزار دینار عطا کیے۔ آخر وہی ہوا کہ سید جلال کامل و فاضل ہوکر درجۂ وزارت پر پہونچا۔ اور اُس کی شاعری کا شہرہ چار دانگ عالم مین ہوا۔

شاہزادہ سام مرزا

شاہزادۂ مذکور ایک دن شام کے وقت مصروف گلگشت تھا۔ سرو کو دیکھکر بے ساختہ یہ مصرع اُس کی زبان سے نکل گیا ع سرو در باغ بیک پائے ستادست نگر+
جس پر اور شعرا نے مصرعے لگائے

شیخ سعدی ع بر کاب تو دگر بود ش پائے دگر+
محمد رضا برق لکھنوی ع نیست از جوشش حسنت بچمن جائے دگر+

وزیر ایران و وزیر ہند

وزیر ایران نے شاہ ایران کے ایما سے وزیر ہند کو بکمال اصرار مطلع ذیل لکھکر ایران مین آنے کے لیے لکھا۔ مطلع

وزیر ایران ؎ بیا در محفل ایران کہ یابی صدق و فا این جا — زر این جا گوہر این جا حشمت این جا افتخار این جا

وزیر ہند نے جواب مین لکھا ؎

قرارے کردہ ام من خود نخواہم رفت زین درگہ — سر این جا سجدہ ایں جا بندگی این جا قرار این جا

ملا مجد ہمگر یزدی

مجد ہمگر۔ جب اصفہان کو گیا تو اپنی بی بی کو جس کی بد مزاجی و کبر سنی سے بد دل تھا وہین چھوڑ گیا بی بی نے کچھ دنون انتظار دیکھا آخر اصفہان پہونچی تو کسی شاگرد نے مجد ہمگر سے کہا کہ مبارک ہو بی بی گھر مین آگئین۔ مجد نے کہا کہ خوشی تو جب ہوتی کہ گھر بی بی پر آرہتا۔ بی بی نے جب یہ فقرہ سنا تو بگڑ کر مجد سے کہا کہ ع پیش از من و تو لیل و نہارے بودست *

مجد نے کہا کہ "خانم پیش از من بلے و لے بیش از تو معلوم۔

مہدی قزوینی

مہدی قزوینی ایک بلند پایہ و شیرین سخن شاعر تھا۔ گرفتۂ شراب سے ہر وقت مست و مخمور رہتا تھا ایک دفعہ فتح علی شاہ قاچار نے کسی قصیدے کے صلے مین شاعر مذکور کو خلعت گران بہا عطا فرمایا۔ شیدائے دختِ رز خلعت کو بیچ کر شراب پی گیا۔ فتح علی شاہ کو بھی اُسکے دشمنون نے یہ خبر پہونچا دی۔ وہ سن کر بہت برہم ہوا اور سامنے بلا کر سخت عتاب کیا۔ اور پوچھا کہ خلعت کو کیون بیچ ڈالا۔ شاعر مذکور نے البدیہہ عرض کیا **بیت**

خلعت نو شدہ در بادۂ دیرینہ گرو ۔۔۔ کہ بود بادۂ دیرینہ بہ از خلعت نو

بادشاہ مذکور ہنس پڑا اور دوسرا خلعت عطا فرمایا۔

سید جلال عضدی

سید جلال موصوف کا بچپن تھا۔ اور یہ مکتب شاہی مین پڑھتے تھے۔ ایک دن شاہ محمد مظفر نے مکتب مین آکر ملاحظہ کیا کہ سید جلال لکھنے مین مصروف ہے اور بشرے سے ذہانت و متانت کے آثار پائے جاتے ہین۔ پوچھا یہ کس کا نور نظر ہے۔ معلم نے دست بستہ عرض کیا کہ سید عضد کا لڑکا ہے۔ پھر شاہ نے پوچھا کہ ان لڑکون مین سب سے بہتر کون لکھتا ہے۔ عرض کیا کہ جس کا قلم تراش سب سے زیادہ خوب و تیز ہے شاہ نے پوچھا کہ قلم تراش کس کا خوب و تیز ہے۔ عرض کیا کہ جس کا باپ زیادہ مالدار ہے۔ شاہ نے پوچھا کہ باپ

علامۂ نظامی گنجوی

حضرت نظامی گنجوی نے قزل ارسلان کی تعریف مین جو قصیدہ لکھا اُسمین یہ شعر بھی تھا شعر

بدریا چون زند تیغ پلارک — بماہی گاؤ گوید کیف حالک

کسی عالم نے اعتراض کیا کہ بلحاظ ترکیب نحوی حالکُ کا لام مرفوع ہونا چاہیے نہ مفتوح۔ نظامی نے سنکر جواب دیا کہ "معذور دارید کہ گاؤ نحو نخواندہ"

سنجر سلجوقیون مین سب سے بڑا بادشاہ گذرا ہے۔ ایک دفعہ ایک مظلوم ستم رسیدہ بڑھیا نے اُسکے گھوڑے کی باگ پکڑکر جس طرح اس کو برا بھلا کہا۔ نظامی نے مخزن اسرار مین اس کو ان اشعار مین ادا کیا ہے۔ **اشعار**

پیرزنے را ستمے در گرفت — دست زد و دامن سنجر گرفت

ایک بڑھیا پر ستم ہوا اُس نے — سنجر کا دامن پکڑا اور کہا

کاے ملک آزرم تو کم دیدہ ام — از تو ہمہ سالہ ستم دیدہ ام

اے بادشاہ! مین نے تیرا انصاف کم دیکھا ہے — ہمیشہ ظلم ہی ظلم دیکھے ہین

شحنۂ مست آمدہ در کوے من — زد لگدے چند فرا روے من

ایک مست سپاہی میرے گھر مین آیا — اور میرے گال پر کئی تھپڑ مارے

بے گنہ از خانہ برونم کشید — موے کشان بر سر خونم کشید

بے گناہ مجھ کو گھر سے نکال لایا — میرے بال پکڑکر گھسیٹتا ہوا قتل گاہ مین لایا

گفت فلان نیم شب اے گوژپشت — بر سر کوے تو فلان را کہ کشت

مجھ سے کہا کہ او بڑھیا تیری — گلی مین فلان شخص کو کس نے مار ڈالا

گر نہ دہی داد من اے شہریار — با تو رود روز شمار این شمار

اگر اے بادشاہ میرا انصاف نہ دیگا — تو قیامت کے دن اسکی پرسش ہوگی

چون کہ تو بیدادگرے پروری — ترک نۂ ہندوے غارتگری۔

جبکہ تو ظالمون کو پالتا ہے — تو تو ترک نہین غارت گر چور ہے (شعر العجم جلد پنجم)

داتا رام برہمن

برہمن کا یہ مطلع ۔ **مطلع**

سیہ چوری بدست آن نگار نازنین دیدم بشاخ صندلین پیچیدہ مارِ عنبرین دیدم

غالباً زیب النسا بیگم نے جب سنا تو فرمایا " برہمن نہ خود پاک نہ شعرش از زوایدِ پاک " یہ توان گفت

سہ ۔ سیہ چوری بدست آن نگارے بشاخ صندلین پیچیدہ مارے

بعض حضرات اس اصلاح کو شیخ علی حزین کے نام سے منسوب کرتے ہین ۔ بہر حال جس نے بھی یہ اصلاح دی بے نظیر دی ۔ اب یہ مطلع اسی طرح مشہور ہے اور لاجواب ہے

نوٹ ۔ یہ مطلع قتیل کا ہے اور اصلاح حزین کی ۔ مؤلف

لا اعلم

کسی باپ نے اپنے نوجوان بیٹے کو جب وہ عالمِ شباب مین کسی حسین کم سن کی اداؤن کا شکار ہو چکا تھا بہت کچھ روکا اور نصیحتین کین مگر اُسکے جوشِ شباب کی اُمنگین اُسے اندھا بنائے ہوئے تھین ۔ وہ ایسی کب سنتا ۔ دل ہی دل مین کہتا تھا سہ

یہ تونے کیا کہا ناصح ۔ نہ جانا کوئے جانان مین ہمین تو رہروون کی ٹھوکرین کھانا مگر جانا

جب وہ ہر طرح سمجھا کر تھک گیا ۔ چونکہ طبع موزون بھی رکھتا تھا ۔ ایک دن بیٹے کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھے **شعر**

جان پدر تو سفرۂ بے نان نہ دیدۂ شورِ عیال و گریۂ طفلان نہ دیدۂ
ننشستۂ بہ گوشۂ از بیم قرض خواہ ناگہ ز در درآمد مہمان نہ دیدۂ

سعادت مند بیٹے نے مُنہ پر کر تو کچھ نہ کہا مگر جواب مین یہ پھڑکتے ہوئے شعر لکھ بھیجے ۔

شعر

بابا مگر تو عارض خوبان نہ دیدۂ شورِ شبان و گریۂ ہجران نہ دیدۂ
ننشستۂ بہ گوشۂ در انتظارِ یار
ناگہ ز در درآمدِ جانان نہ دیدۂ

امیر کابل و امیر غور

امیر شمس الدین غور نے ایک مرتبہ امیر کابل ملک ضیاء الدین سے ارادۂ سرکشی کیا۔ جسپر ملک موصوف نے یہ رباعی لکھکر بھیجی رباعی

غوری بچہ بکین کابل برخاست بارہجو منے جنگ بخواہد آراست
تو شمسی و من ضیاء و داند ہر کس کادر دن شمس بر فلک کار ضیاست

امیر شمس الدین نے جواب مین یہ رباعی لکھ بھیجی۔ رباعی

اے بیخبر از خویش نگہ کن چپ و راست بارہجو منے خصومت از بہر چہ خاست
من شمسم و تو ضیاء و داند ہر کس کز شمس بود ہر چہ در آفاق ضیاست

ہلالی و نرگسی کا پر لطف مکالمہ

ایک دن ہلالی شاعر ظریف مرزا کامران کی مجلس مین بیٹھا تھا کہ نرگسی شاعر آکر ہلالی سے بالاتر جگہ پر بیٹھ گیا۔

ہلالی۔ آپ مین کیا خصوصیت ہے کہ مجھ سے بالاتر آکر بیٹھے

نرگسی۔ مین شاعر ہون اور نام نرگسی ہے اور نرگس آنکھ سے مشابہ ہے اور آنکھ سب اعضا سے بالا ہے

ہلالی۔ مین بھی شاعر ہون اور ہلالی نام ہے اور ہلال کی جگہ آسمان پر ہے۔ نیز ہلال ابرو سے مشابہ ہے اور ابرو کی جگہ آنکھ سے بالاتر ہے۔ اس لیے مجھکو آپ پر تفوق ہے اور آپ کو مجھ سے بالاتر نہ بیٹھنا چاہیے۔

نرگسی۔ ہلال غلام کا نام ہوتا ہے۔

ہلالی۔ نرگس لونڈی کا نام ہوتا ہے۔

نرگسی۔ میرے نام کا جزو نَر ہے اور نَر اوپر رہتا ہے

ہلالی۔ آپ کے نام کا دوسرا جزو۔ جس لفظ کی تجنیس ہے اُسکی جگہ نیچے ہوتی ہے۔

اس مناظرے پر مرزا کامران بہت ہنسا اور دونون کو انعام دیا۔

چنان در می آید کہ حسن را بہ نسبت امیر خسرو گونہ تقدم باشد، چہ امیر حسن را در مدح سلطان غیاث الدین بلبن قصائد غراست در کلام امیر خسرو در مدح سلطان کمتر چیزے میتوان یافت۔

حضرت امیر خسرو و خواجہ نظام الدین اولیا

پہلے پہل جب امیر خسرو زیارت وقدمبوسی خواجۂ نظام الدین اولیا کے لیے گئے۔تو یہ رباعی لکھکر حضوری چاہی۔ رباعے

توآن شاہی کہ برایوان حضرت　　کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بر در آمد　　بیاید اندرون یا باز گردد

خواجہ صاحب نے جواب مین یہ رباعی فرماکر بھیجی رباعے

بیاید اندرون مرد طریقت　　کہ بامن یک نفس ہمراز گردد
وگر ابلہ بود آن مرد نادان　　زہر راہے کہ آمد باز گردد

اجازت پاکر امیر خسرو زیارت سے مشرف ہوے اور حلقۂ مریدان مین داخل کیے گئے۔

بدر چاچرمی

ایک دفعہ بدر موصوف نے ذیل کی رباعی خواجۂ بہاء الدین صاحب دیوان کو صفہان مین لکھکر بھیجی رباعے

دنیا چو محیط است وکف خواجہ نقط　　پیوستہ بگرد نقطہ می گردد خط
پروردۂ تو کہ دمبدم دون ووسط　　دولت ندہد خدائے کس را بغلط

خواجہ نے جواب مین یہ رباعی لکھکر حامل نامہ کو دیدی رباعے

سی صد برۂ سفید چون بیضۂ بط　　کاز از سیاہی نبود ہیچ نقط
از گلۂ خاص ماند از جائے غلط　　چوپان بدہد بدست دارندۂ خط

نامہ بر نے چوپان کو تحریر دکھاکر سب چیزین پائین اور بدر کو جاکر حوالہ کین۔

فخر کیا ہے چنانچہ ایک قصیدے مین جو خواجہ صاحب کی مدح مین ہے فرماتے ہین بیت

برزبانت چون خطاب بندہ ترک اللہ رفت　　دست ترک اللہ گیر دہم بہ اللّٰہش سپار

امیر کی صوفیانہ زندگی کا ایک بڑا واقعہ حسن دہلوی کے تعلقات ہین حسن نہایت صاحب جمال تھے۔ اور نان بائی کا پیشہ کرتے تھے۔ امیر کا عین شباب تھا کہ ایک دن اتفاق سے انکی دوکان کے سامنے سے گذرے۔ آفتاب حسن کی شعاعین ان پر بھی پڑین۔ وہین ٹھہر گئے اور پوچھا کہ کس حساب سے روٹی بیچتے ہو حسن نے کہا کہ ایک پلڑے مین روٹی رکھتا ہون اور خریدار سے کہتا ہون کہ دوسرے پلہ مین سونا رکھے۔ سونے کا پلہ جھک جاتا ہے تو روٹی حوالے کردیتا ہون امیر نے کہا اور خریدار مفلس ہو؟ حسن نے جواب دیا تو سونے کے بدلے درد اور نیاز لیتا ہون اس انداز گفتگو نے امیر کو اور بھی بے اختیار کردیا۔ فوراً حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی خدمت مین آئے اور واقعہ بیان کیا۔ حسن نے گو ناوک اندازی کی تھی لیکن خود بھی شکار ہو گئے۔ اسی وقت دوکان بند کر کے خواجہ صاحب کی خدمت مین پہونچے اور اپنے دلدادہ امیر خسروؒ سے ملے پھر تو باہمی اس قدر تعلقات بڑھے کہ دونون ایک دم کے لیے جدا نہ ہوتے تھے۔ جب امیر نے خان شہید کی ملازمت کی تو حسن بھی ساتھ ملازم ہوئے۔ دونون کے تعلقات کا چرچا جب زیادہ پھیلا تو لوگون نے خان شہید سے شکایت کی۔ امیر نے اس واقعے پر یہ غزل لکھی ہے

زین دل خودکام کار من برسوائی کشید　　خسروا فرمان دل بردن ہمین بار آورد

خان شہید نے بدنامی کے خیال سے حسن کو امیر کے ملنے سے منع کیا۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ خان شہید نے غصے مین آکر حسن کے ہاتھ پر کوڑے لگوائے۔ حسن سیدھے خسرو کے پاس گئے۔ خان شہید کو اسی وقت پرچہ لگا۔ نہایت متحیر ہوا اور امیر کو بلوا بھیجا۔ آئے تو کہا کہ کیا حالت ہے۔ امیر نے آستین سے ہاتھ نکال کر دکھایا۔ اور کہا ع گواہ عاشق صادق در آستین باشد ؛
دیکھا تو جہان حسن کے کوڑے لگے تھے وہین خسرو کے ہاتھ پر بھی کوڑے کے نشان تھے

(اقتباس از شعر العجم حصہ دوم)

نوٹ یہ واقعہ اکثر تاریخون اور تذکرون مین منقول ہے لیکن صاحب بہارستان سخن نے اسکی معقول بنا پر تکذیب کی ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی یہ عبارت نقل کی ہے " بقیاس

مولانا سعدالدین خطاط کو مقرر کیا۔خواجہ اصیل کو توال کے نائب تھے۔ایک دن اُن کے ہان امیر خسرو بھی اپنے استاد کے ساتھ گئے۔اُن کے مکان پر خواجہ عزیزالدین بھی تشریف رکھتے تھے سعدالدین نے خواجہ صاحب سے کہا کہ یہ لڑکا بھی کچھ غون غان کرتا ہے۔معلوم نہین موزون بھی کہتا ہے یا نہین آپ ذرا اس کے کلام کو سن لیجیے۔خواجہ عزیز کے ہاتھ مین اشعار کی بیاض تھی۔امیر خسرو کو دی کہ کوئی شعر پڑھو۔امیر نے نہایت خوش الحانی سے پڑھا چونکہ آواز مین قدرتی تاثیر تھی۔سب کی آنکھین بھر آئین سب نے بے اختیار تحسین کی۔ان کے استاد نے کہا شعر گوئی مین امتحان لیجیے خواجہ عزیزالدین نے چار بے جوڑ چیزون کا نام لیا کہ ان کو ملا کر شعر کہو۔مو، بیضہ، تیر، خربزہ، امیر نے برجستہ کہا

رباعی ہر موے کہ در دو زلف آن صنم ست صد بیضہ عنبرین بران موے خم است

چون تیر مدآن راس دلش را زیرا کہ چون خربزہ دندانش درون شکم است

خواجہ عزیزالدین کو سخت حیرت ہوئی پوچھا نام کیا ہے کہا خسرو۔باپ کا نام پوچھا۔انھون نے اصل نام کے بجائے قبیلے کا نام بتایا یعنی ’لاچین‘۔خواجہ صاحب نے کہا کہ چونکہ تمکو دربار سلطانی سے تعلق ہے۔اس لیے تم کو سلطانی تخلص رکھنا چاہیے۔چنانچہ تحفۃ الصغری کی اکثر غزلون مین یہی تخلص ہے۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا لب دریا ایک کوٹھے پر بیٹھکر ہندوون کی عبادت اور اشنان کا تماشا دیکھ رہے تھے۔امیر خسرو بھی حاضر تھے فرمایا دیکھتے ہو۔

ع ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

اُس وقت خواجہ صاحب کی ٹوپی ذرا ٹیڑھی تھی۔امیر نے اُسکی طرف اشارہ کر کے برجستہ کہا

ع من قبلہ راست کردم بر طرف کجکلاہے

جہانگیر نے تزک جہانگیری مین لکھا ہے کہ میری مجلس مین قوال یہ شعر گا رہے تھے۔مین نے اس کی شان نزول پوچھی۔ملا علی احمد مہرکن نے واقعہ بیان کیا۔مصرعۂ آخر کے ختم ہوتے ہوتے ملا مذکور کی حالت بدلنی شروع ہوئی۔یہان تک کہ غش کھا کر گرے دیکھا تو دم نہ تھا۔[1]

خواجہ صاحب نے امیر خسرو کو ترک اللہ کا خطاب دیا تھا اور اسی لقب سے پکارتے تھے۔امیر نے اس پر

(۱؎ تزک جہانگیری صفحہ ۱۸ مطبوعہ علی گڈھ۔)

نفیس کوٹھی تھی۔ سلطان نے بام پر جانے کا قصد فرما کر شعراسے یہ فرمایش کی کہ ہر زینے پر جب ھم قدم رکھین ایسا مصرع کہو کہ حکم قتل کا مستوجب ہو لیکن دوسرا مصرع ایسا ہو جو پہلے مصرع کے الزام و ہجو کو رفع کردے۔ فرمایش بیڈھب تھی۔ سب نے انکار کیا لیکن اسدی نے قبول کیا اور ہر زینے پر پہلا مصرع ہجو کہکر دوسرے زینے پر دوسرے مصرعہ سے رفع ہجو کردیتا تھا۔ بارہ مصرعے بارہ زینون کے مطابق کہے اور انعام و اکرام و تحسین سے سرفراز ہوا۔ مصرعہ ہائے مذکور یہ تھے

۱۔ خواہم اندر تو کنم اے بت پاکیزہ خصال ۲۔ نظر از منظر خوب شب و روز و مہ و سال

۳۔ خفتہ باشی تو و من میزدہ باشم ہر شب ۴۔ بوسہ ہا بر کف پائے تو و لیکن بخیال

۵۔ غرق شد تا بہ پر القصہ کہ نتوان بکشید ۶۔ تیر مژگان کہ زدی بر دل ریشم فی الحال

۷۔ وہ کہ بر پشت تو افتاد ن و جنبش چہ خوش است ۸۔ کاکل مشک فشان از اثر باد شمال

۹۔ یاد داری کہ تراشب بسحر می کردم ۱۰۔ صد دعا از دل مجروح و پریشان احوال

۱۱۔ طوسی خستہ اگر در تو ہند منع مکن ۱۲۔ نام معشوقی و عاشق کشی و غنج و دلال

(غنج و دلال۔ نخرے)

سیف باخرزی

کسی شخص نے ازراہ ظرافت رباعی ذیل سیف باخرزی کو لکھکر بھیجی۔ رباعی

اے خردمند سیف باخرزی باللہ ار تو ارزنے ارزی

کے تو با آدمی توانی زیست چون ترا گفتہ اند باخرزی

سیف موصوف نے جواب مین یہ رباعی لکھکر روانہ کی۔ رباعی

اے خردمند طاعت من کن تا کے آخر تو معصیت ورزی

زین پس با تو عمر سر بکنم چون مرا گفتہ اند باخرزی

یہ جواب سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ (عطیہ حضرت زاہد)

حضرت امیر خسرو دہلوی

جب انھون نے ہوش سنبھالا تو ان کے والد نے ان کو مکتب مین بٹھایا۔ اور خوشنویسی کی مشق کے لیے

تو پادشاہ جہانی جہان زدست مدہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ پادشاہ جہان را جہان بکار آید

بادشاہ نے اُسکو دینا ملتوی کیا اور دوسری کنیز کو جس کا نام حیات تھا انتخاب کیا۔ اس نے بھی فوراً دست بستہ عرض کیا ؎

جہان خوش ست ولیکن حیات می باید ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ اگر حیات نہ باشد جہان چہ کار آید

بادشاہ اُسکو دینے سے بھی درگذرے اور ایک تیسری کنیز دلارام کو تجویز کیا۔ وہ حسن وجمال کے علاوہ شطرنج کی بھی بڑی ماہر تھی۔ ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ مین حاضر ہون۔ مگر ایک دفعہ بساط شطرنج لاکر صورت بازی مجھے بھی دکھا دی جائے۔ بادشاہ نے بساط منگا کر دونون بازیون کے مہرے سامنے رکھدیے دلارام نے غور کرکے بادشاہ کو چال بتائی۔ اُس نے چال کا نقشہ اسطرح نظم کرکے دکھایا جو شاعرون کی زبانون پر ہے۔ ؎

شاہا دو رخ بدہ و دلارام را مدہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ پیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات

بادشاہ نے اس چال سے شہزادے کو مات دی اور کنیز کے مراتب اعلے کیے اور انعام سے مالامال کردیا۔

ملک الشعرا ابو طالب کلیم

جب شاہجہان بادشاہ ہند نے لقب شاہجہانی اختیار کیا تو شاہ ایران نے اعتراضاً لکھا کہ آپ نے ذرا سے ملک ہند کو جہان فرض کرلیا جو جہان کا سوان حصہ ہوگا۔ شاہجہان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ بہت متردد تھا اور یہی سوچ رہا تھا کہ کیا مین اس اعتراض کو تسلیم کرلون۔ بادشاہ کو متردد اور پریشان دیکھکر ابو طالب کلیم نے عرض کیا کہ اسکا جواب مین لکھواتا ہون۔ یہ لکھوا دیجیے بیت

ہند و جہان ز روے عدد چون برابر است ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ برما خطاب شاہ جہان زان مسلم است

شاہجہان نے اس رسائی فکر کی بے حد تعریف کی اور خوش ہوکر بہت انعام دیا۔

نوٹ ہند کے از روے حساب ابجد ۵۹ عدد ہوتے ہین۔ اور جہان کے بھی ۵۹ ہین۔ سبحان اللہ کیا دندان شکن جواب دیا۔ (مؤلف)

استاد اسدی طوسی

ایک دفعہ سلطان محمود سیر باغ مین مصروف تھے۔ شعراے دربار ہمراہ تھے۔ باغ مین ایک بلند

کلاہ بند۔ ملا نے عرض کیا رباعی

چون منقل اگرچہ دودِ آہے داریم | بر طاس فلک نہ کارگاہے داریم
باما سخنے زشرح شمسیہ مگوئے | مانیز ازین بلند کلاہے داریم

سلطان نے دونون نکتہ سنجون کی تعریف فرماکر انعام بیکران مرحمت فرمایا۔

نوٹ

یہ واقعہ امیر خسرو اور پنہاریون کے واقعے سے ملتا ہوا ہے خسرو کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا الخ

علامہ ظہیر فاریابی

ایک دن قزل ارسلان کی صحبت مین سیاہ و سفید ڈاڑھی کا ذکر تھا کہ دونون مین کون افضل ہے ظہیر کی ڈاڑھی سرخ تھی۔ اس لیے شاہ نے فرمایا کہ تم کو حکم قرار دیا جاتا ہے کہ تم دونون مین سے کوئی رنگ نہین رکھتے۔ ظہیر نے فوراً یہ اشعار نظم کر کے عرض کیے۔ اشعار

واعظے بر فراز منبر گفت | کہ چو پیدا شود سزائے نہفت
ریشہائے سفید را زگناہ | بخشد ایزد بریشہائے سیاہ
مردکے سرخ ریش حاضر بود | دست بر ریش زد چو این بشنود
گفت ما خود درین شمار نئیم | در دو گیتی بہیچ کارۂ نئیم
بندہ آن سرخ ریش مظلوم است | کہ ز انعام شاہ محروم است

شاہ بے ساختہ ہنس پڑا اور انعام عطا فرمایا۔

جہانگیر بادشاہ

جہانگیر بادشاہ ایک دن کسی ایرانی شہزادے کے ساتھ اس شرط سے شطرنج کھیلنے بیٹھا کہ جو ہارے ایک کنیز خوش جمال دے۔ بادشاہ کو کھیلتے کھیلتے ایک موقع پر مات ہونے لگی تو بہانہ کر کے حرم سرا مین اس خیال سے پہنچا کہ اب کون سی کنیز شہزادے کو دون۔ سب کو جمع کیا اور بے حد پس و پیش کے بعد ایک کنیز کو جس کا نام جہان تھا۔ انتخاب کیا۔ اُس نے فوراً عرض کیا ــہ

من خاک تو در چشم خرد می آرم   عذرت نہ یکے نہ دہ کہ صد مے آرم
سر خواستۂ بدست کس نتوان داد   می آیم و بر گردن خود مے آرم

اس رباعی کو سن کر سلطان نے خوش ہو کر عفو قصور کیا اور منصب سابقہ پر بحال رکھا۔

کسی بادشاہ نے ایک دن اپنے وزیر دانا

سے پوچھا کہ دنیا مین بہت آوازین دلکش و دلفریب ہین۔ مگر انمین پسندیدہ تر کون سی ہے۔ وزیر نے جو عرض کیا اُس کو کسی نے یون نظم کیا

نظم

شاہ پرسید از وزیر ہوشمند   کاے وزیر اندر جہان آواز چند
گفت شاہا در جہان آوازہاست   لیک ما را چار از ان آمد پسند
چرچر سیخ کباب و قلقل مینائے مے   تیج تیج بوس و کنار و کش کش شلوار بند

ملک الشعرا فتح علی خان

فتح علی شاہ قاچار ایک دفعہ ہلال ماہ صیام دیکھ رہے تھے کہ قلعہ کی دریچی کھلی۔ ایک کم سن زیبا جمال ماہ پارہ نے بھی چاند دیکھنا چاہا۔ شاہ کی زبان سے بیساختہ یہ مصرع نکل آیا۔

ع در شب نو آن پریرو بے نقاب آمد برون ÷ ملک الشعرا نے جواب مین عرض کیا

ع ماہ می جستند مردم آفتاب آمد برون ÷ سبحان اللہ

ملا عبدالرحمن جامی و ملا بنائی

سلطان میرزا حسن کی صحبت مین ایک دفعہ دونون کامل الفن بزرگوار موجود تھے۔ سلطان نے امتحاناً ملا جامی سے فرمایا کہ ہم چار چیزون کے نام لیتے ہین۔ اُنکو ایک جگہ نظم کیجیے۔ چراغ۔ غربال نردبان۔ ترنج۔ ملا صاحب نے عرض کیا رباعے

اے گشتہ چراغ دولتت بدر منیر   غربال شدہ سینہ اعدات زتیر
بر پایۂ نردبان ہمت نہ پائے   از اوج فلک ترنج دولت برگیر

اس کے بعد سلطان نے ملا بنائی سے فرمایا کہ آپ ان چار چیزون کو نظم کیجیے۔ منقل۔ طلس۔ شرح شمسیہ

سر دفتر ارباب ہنر خواجہ علی ست ... اے آنکہ ترا لطف طبیعت ازلی ست
خواہی تو مرا پسند و خواہی مپسند ... داند ہمہ کس کہ حمزہ استاد علی است

مولانا علی شہاب نے جواب مین یہ رباعی لکھکر شیخ حمزہ آذری کے پاس بھیجی - رباعی

اے حمزہ بدان کہ عرش حق جاے علی ست ... بر دوش رسول از شرف پاے علی ست
استاد علی ست حمزہ در جنگ ولے ... صد حمزہ بعلم و فضل لالاے علی ست

عارف کامل شیخ کمال خجندی

کہتے ہین کہ خواجہ حافظ شیرازی نادیدہ شیخ سے کمال اعتقاد رکھتے تھے - اور ان کے کلام معجز نظام کے عاشق تھے - ایک دفعہ شیخ سے تازہ کلام باصرار و شوق طلب کیا - شیخ نے مندرجہ ذیل غزل بھیجی - غزل

گفت یار از غیر ما پوشان نظر گفتم بچشم ... وانگہے دزدیدہ در ما می نگر گفتم بچشم
گفت اگر باشی شبے از روے چون ہم جدا ... تا سحر گاہان ستارہ می شمر گفتم بچشم
گفت اگر بر آستانم آب خواہی زد زچشم ... ہم بمژگانت بروب آن خاک در گفتم بچشم
گفت اگر سر در بیابان غمم خواہی نہاد ... تشنگان را مژدہ از ما ببر گفتم بچشم

خواجہ حافظ نے جب یہ مصرع پڑھا ع تشنگان را مژدہ از ما ببر گفتم بچشم ÷ تو ذوق و حال سے وجد مین آکر دست و پا مارنے لگے اور فرمایا "مشرب این بزرگوار بسیار عالی ست و سخنش صافی"

امیر نصیر الدین استرابادی

سلطان تگش نے کسی بات پر خفا ہوکر حکم دیا کہ امیر نصیر الدین کا سر کاٹ کر لایا جائے - ایلچی نے یہ حکم پہونچایا تو امیر مذکور نے بہت کچھ روپیہ دیکر ایلچی کو اس بات پر راضی کرلیا کہ سلطان کے سامنے اُس کو زندہ حاضر کرے - چنانچہ جس دن اس کو حاضر کیا گیا حسن اتفاق سے سلطان مصروف جشن تھا - امیر کو زندہ دیکھکر غضب ناک ہوا - ایلچی کے لیے کوئی حکم زبان پر آیا ہی چاہتا تھا کہ امیر مذکور نے یہ رباعی عرض کی - رباعی

ملک الشعرا مولانا لطف اللہ نیشاپوری

مولانا طاہر نیشاپوری فرماتے ہین کہ ہم اور مولانا لطف اللہ ہم سبق تھے۔ ایک دن نہر کے کنارے کپڑے دھونے کو گئے۔ مولانا نے اپنی نئی دستار دھو کر دھوپ مین پھیلا دی۔ یکایک بڑے زور کی آندھی آئی اور دستار کو اُڑا لیگئی اور ہماری آنکھون مین خاک بھر گئی۔ آنکھین مل کر ڈھونڈھا تو دستار کا کہین پتا نہ چلا۔ مولانا نے مایوس ہو کر کہا کہ ایک دفعہ پہلے بھی ایسا ہی ہوا تھا کہ ہوا دستار اُڑا کر لیگئی تھی۔ اور پھر اُسی وقت یہ اشعار موزون کر کے پڑھے۔ **اشعار**

طالعے دارم آنکہ از پے آب — گر روم سوئے بحر بر گردد
ور بدوزخ روم پے آتش — آتش از یخ فسردہ تر گردد
ور بہ نزد کسے روم بہ سؤال — ہر دو گوشش بحکم کر گردد
ور زکوہ التماس سنگ کنم — سنگ نایاب چون گہر گردد
اسپ تازی اگر سوار شوم — زیر رانم روان چو خر گردد
باہمہ نیز شکر باید کرد — کہ مبادا ازین بتر گردد

خدا جانے ایک مطلع سنا ہوا یاد ہے انھین کا ہے یا اور کسی کا ہے مگر خوب ہے۔ ؎

بخت بیچارگان چو برگردد — شب اول عروس نر گردد

اسی مضمون کو کسی اور نے یون ادا کیا ہے ؎

بدبخت اگر مسجد آدینہ بسازد — یا بام فرو د آید و یا قبلہ کج آید

اردو مین بھی یہ مضمون یون کہا گیا ہے ؎

موت مانگون تو رہے آرزوئے خواب مجھے — ڈوبنے جاؤن تو دریا ملے پایاب مجھے

مولانا علی شاب ترشیزی

مولانا موصوف اور شیخ حمزہ آذری مین اکثر چوٹین چلا کرتی تھین۔ ایک دفعہ شیخ آذری نے یہ قطعہ لکھکر مولانا علی مذکور کو بھیجا۔ ؎

بھی شکل! فوراً ایک رباعی موزون کی۔ اور باریابی پر شاہ کو سنائی اور تقرب حاصل کیا۔ وہ رباعی یہ ہے

در علم و ہنر چو من مشو صاحب فن — تا نزد عزیزان نشوی خوار چو من
خواہی کہ شوی قبول ارباب سخن — کنگ[1] آور و کنگری دکمنگری زن

علمائے وقت نے اُس کو ملامت بھی کی کہ باین ہمہ فضیلت و ہنر مسخرگی پیشہ کرنا زیبا نہین مگر وہ ہزلیات و مطایبات ہی کہتا رہا۔ اور جو معترض ہوتا تھا۔ یہ قطعہ پڑھکر ساکت کر دیتا تھا۔

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم — کاندر طلب راتب ہر روزہ بمانی
دو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز — تا سیم و زر از کہتر و مہتر بستانی

خواجہ امین الدین وزیر نے جہان خاتون سے موزور حسن و جمال کے ساتھ زیور شاعری و ظرافت سے بھی آراستہ تھی عقد کر لیا تو عبید زاکانی نے یہ قطعہ کہکر بھیجا۔

وزیر جہان قحبۂ بے وفاست — ترا از چنین قحبۂ ننگ نیست
برو کُس فراخ دگر را بخواہ — خدائے جہان را جہان تنگ نیست

اس قطعہ کو پڑھکر خواجہ امین الدین وزیر کی آتش غضب بھڑکی۔ اور عبید زاکانی کی گرفتاری کا حکم صادر کیا مگر معلوم یہ ہوا کہ قطعہ بھیجکر عبید زاکانی نے راہ فرار اختیار کی۔

نادرشاہ افشار شاہ ایران

نادر شاہ ایک دن خلاف عادت خدا جانے کس رنگ مین ہوگا کہ یہ مصرع کہکر حاضرین دربار سے دوسرے مصرعے کی فرمایش کی۔ ع۔ بیار بادہ کہ مینائے عمر لبریز است ؂
وزیر جعفر نے فوراً عرض کیا۔ ع۔ مریض را دم آخر چہ جائے پرہیز است ؂
نادر شاہ نے سن کر پسند کیا اور داد دی۔

[1] نوٹ۔ کنگ و کنگری سارنگی بین کو کہتے ہین۔

خواجہ نے حسب فرمایش دلشاد خاتون والدۂ سلطان کے خواجہ ظہیر فاریابی کے قصیدہ پر قصیدہ لکھا اور تعریف لب و دہن و دندان مین دو شعر بے مثل کہے جسکے صلے مین انعام و خلعت گران اور وظیفہ دوام سے سرفراز ہوا۔ وہ دونون شعر یہ ہین۔ ؎

درِ دُرج دُر عقیق لبت نقد جان نہاد　　جنس نفیس یافت بجاے نہان نہاد

قفلے ز لعل بر سرِ آن دُرج زد لبت　　خالت ز عنبر آمدہ مہرے برآن نہاد

صاحب تذکرہ دولت شاہ لکھتے ہین کہ میری رائے مین تمام ملک رَےؔ اگران دونون شعرون کے صلے مین دیا جاتا تو کم تھا۔

ملک الشعرا ناصر بخاری

خواجۂ ناصر جب حج کے ارادے سے چلے تو خواجہ سلمان ساوجی کے اشتیاق مین بغداد پہونچے خواجۂ سلمان قلعۂ بغداد کے سامنے کنار دجلہ جو اس وقت موسم برشگال کی وجہ سے طغیانی پر تھا مع اپنے شاگردون کے سیر کنان پھر رہے تھے۔ خواجہ ناصر نے بڑھکر سلام علیک کیا خواجہ سلمان نے جواب سلام کے بعد پوچھا کہ آپ کون ہین؟ کہا مین ایک غریب الوطن مسافر ہون اور شاعر بھی ہون خواجۂ سلمان نے امتحاناً ایک مصرع پڑھکر دوسرے مصرع کی فرمایش کی۔ مصرع یہ تھا۔

ع دجلہ را امسال رفتارے عجب مستانہ ایست ÷ خواجۂ ناصر نے فوراً دوسرا مصرع عرض کیا۔

ع پائے در زنجیر و کف برلب مگر دیوانہ ایست ÷ اس فی البدیہہ مصرع کو سن کر سب پھڑک اُٹھے اور خواجۂ سلمان نے بے انتہا داد دی اور نام پوچھا۔ آپ نے فرمایا مجھے خواجہ ناصر کہتے ہین۔ نام سنکر بغلگیر ہوئے اور چند روز اپنا مہمان رکھا۔

عبید زاکانی

عبید زاکانی نہایت عالم و فاضل دہر تھا۔ ایک کتاب علم معانی مین لکھکر شاہ ابو اسحاق کی خدمت مین لے گیا۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ اس وقت ایک مسخرے سے باتون مین مصروف ہے۔ عبید نے دل مین کہا کہ ایک مسخرے کی تو اس قدر قدر و منزلت اور علما و فضلا کی یہ ذلت کہ دربار مین رسائی

تو نہین ہون کہ عالم کا بار اُٹھالون - نہ چوتھا آسمان ہون کہ آفتاب کو لیے پھرون (شعر العجم صفحہ ۱۵ جلد اول)
مولانا شبلی نے انھین واقعات اور انھین اشعار کو صفحہ ۲۷ جلد اول شعر العجم مین سلطان سنجر اور امیر معزی کے ساتھ منسوب کیا ہے

شیخ الرئیس ابو علی سینا

کہتے ہین کہ جب شیخ کو لوگون نے دہریے ہونے کا الزام لگا کر علمائے عصر سے کفر کا فتوٰے حاصل کیا تو شیخ نے ایک رباعی کہکر اپنے اسلام کا اقرار کیا - رباعی یہ ہے **رباعی**

کفر چو منی گزاف و آسان نہ بود | محکم تر از ایمان من ایمان نہ بود
در دہر چو من یکے و آن ہم کافر | پس در ہمہ دہر یک مسلمان نہ بود

ایک دن حضرت ابو سعید ابو الخیر نے کسی صحبت مین شیخ کو ملامت و نصیحت کے بعد توبہ کرنے کو فرمایا شیخ نے اُس کے جواب مین یہ رباعی عرض کی **رباعی**

مائیم بعفو تو تولا کردہ | از طاعت و معصیت تبرا کردہ
آنجا کہ عنایت تو باشد باشد | ناکردہ چو کردہ کردہ چون ناکردہ

حضرت ممدوح نے بھی فی البدیہہ یہ رباعی فرمائی **رباعی**

اے نیک نہ کردہ و بدیہا کردہ | وانگہ بخلاص خود تمنا کردہ
بر عفو مکن تکیہ کہ ہرگز نبود | ناکردہ چو کردہ کردہ چون ناکردہ

(عطیہ حضرت زاہد)

خواجہ سلمان ساوجی

ایک رات خواجہ سلمان مجلس سلطان اویس مین نشۂ شراب سے مست تھا جب رخصت ہونے لگا تو سلطان نے خواجہ کو مست اور رات کو تاریک دیکھکر فراش کو حکم دیا کہ شمع مع بیش بہا طلائی لگن کے خواجہ کے ساتھ لیجا - حسب فرمان شاہی فراش نے خواجہ کو مکان تک پہونچا دیا اور شمع و لگن خواجہ کے کہنے سے وہین چھوڑ آیا - صبح کو جب فراش مانگنے آیا تو خواجہ نے یہ بیت لکھکر سلطان کو بھیجدی اور شمع و لگن واپس نہ دیا - ذرا یہ بیت ملاحظہ ہو - **بیت**

شمع خود سوخت بزاری شب دوش و امروز | گر لگن را طلبد شاہ زمن می سوزم

سلطان یہ بیت پڑھکر ہنسا کہ شاعر طماع سے لگن کا ہاتھ آنا مشکل ہے - اچھا اُسی کو بخشا -

تو غیظ و ندامت سے عجب حالت ہوئی۔ بات بات پر ہر ایک پر بگڑ رہا تھا۔ مزاج زلف پریشان کی طرح برہم تھا۔ کسی کو سامنے جانے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ لیکن عنصری کو چونکہ مزاج سلطانی مین بہت درخور تھا۔ اس لیے ہمت کر کے حضور مین حاضر ہوا۔ سلطان نے فرمایا کہ مستی مین مجھ سے کیا بیجا حرکت سرزد ہوئی۔ اپنے ہاتھون رشتہ حیات کو توڑا۔ اب کیونکر دل وحشی کو تسکین دون۔ عنصری نے فوراً یہ رباعی عرض کی۔ رباعی

کے عیب سر زلف بت از کاستن است | چہ جائے بغم نشستن و خاستن است
وقت طرب و نشاط و مے خواستن است | کاراستن سرو ز پیراستن است

اس رباعی کو سنکر سلطان کا غصہ فرو ہو گیا۔ اور حکم دیا کہ عنصری کا منہ جواہرات سے بھر دیا جائے چہار مقالہ مین لکھا ہے کہ مُنہ کے بجائے دامن بھر اگیا۔

ایک دفعہ سلطان محمود نے فصد لی۔ عنصری نے برجستہ کہا رباعی

آمد آن رگ زن مسیح پرست | نیش الماس گون گرفتہ بدست
طشت زرین و آبدستان خواست | بازوے شہریارا بربست
نیش بگرفت و گفت عزّ علیک | این چنین دست راکہ یارد خست
سر فرو برد و بوسہ بر داد | وز میمن شاخ ارغوان برجست

ایک دفعہ محمود چوگان کھیلنے مین گھوڑے سے گر پڑا۔ خفیف سا زخم آیا۔ عنصری نے فی البدیہہ یہ کہا

رباعی

شاہا! ادبے کن فلک بدخو را | کاسیب رسانید رخ نیکو را
گر گوئے خطا رفت بچوگانش زن | ور اسپ غلط کرد مبن بخش اورا

اخیر مصرع دو پہلو رکھتا ہے ایک یہ کہ گھوڑے نے اگر غلطی کی تو میری خاطر اُس کو بخش دیجیے۔ دوسرے یہ کہ گھوڑا اگر غلط رو ہے تو مجھے دے ڈالیے۔ محمود نے اس حسن طلب کے صلہ مین گھوڑا عنصری کو دیدیا۔ عنصری نے ایک اور رباعی گھوڑے کی طرف سے معذرت مین لکھی رباعی

رفتم بر اسپ تا نزارش بکشم | گفتا کہ نخست بشنو این عذر خوشم
نے گاو زمینم کہ جہان برگیرم | نے چرخ چہارم کہ خورشید کشم

یعنی مین نے گھوڑے کو سزا دینے کا قصد کیا۔ گھوڑے نے کہا کہ پہلے میرا عذر تو سن لیجیے۔ کچھ مین گاو زمین

آخر مین کہتا ہے مقطع

ختم شد بر تو سخاوت بر من مسکین سخن چون ولایت بر علیؑ بر مصطفےٰ پیغمبری

سلطان نے بے حد محظوظ ہو کر انعام سے مالامال کر دیا اور مدارج و مراتب اعلےٰ سے سرفراز فرمایا

استاد ابوالحسن رودکی بخاری

رودکی فارسی زبان کا پہلا شاعر صاحب دیوان ہے۔ امیر نصر بن احمد سامانی کا ندیم تھا جب امیر مذکور بعد فتح خراسان ہرات مین پہونچا تو وہان کی آب و ہوا اور قدرتی مناظر کو دیکھکر بخارا کو بھول گیا اور وہان سے چلنے کا نام نہ لیتا تھا۔ تمام امرا اور ارکین تنگ آگئے۔ اور استاد رودکی سے التجا کی کہ امیر کو واپسی وطن پر کسی طرح آمادہ کرے۔ ایک دن صحبت شراب و کباب مین امیر کی زبان سے بخارا کی تعریف سن کر رودکی نے اشعار ذیل جو اسی وقت موزون کیے تھے نہایت خوش الحانی سے بربط پر گائے جس سے امیر ایسا متاثر ہوا کہ فوراً بغیر موزہ پانوین پہنے سوار ہو کر بخارا کو روانہ ہو گیا۔

اشعار مذکور یہ تھے۔ **اشعار**

یاد جوئے مولیان آید ہمی یاد یار مہربان آید ہمی

ریگ آموو درشتیہائے او پائے مارا پرنیان آید ہمی

آب جیحون باہمہ پہناوری خنگ مارا تامیان آید ہمی

اے بخارا شاد باش و شاد زی شاہ سویت میہمان آید ہمی

شاہ ماہ ست و بخارا آسمان ماہ سوئے آسمان آید ہمی

شاہ سرو است و بخارا بوستان سرو سوئے بوستان آید ہمی

(علیہ حضرت زاہد)

ملک الشعرا استاد عنصری بلخی

ایک دن۔ سلطان محمود نے عالم مستی مین ایاز کو حکم دیا کہ اپنی زلفین کاٹ ڈال۔ ایاز نے فوراً دونون زلفین تراش کر سلطان کے سامنے ڈال دین۔ وہ وقت تو گذر گیا۔ لیکن پھر جب ہوش آیا اور ایاز کی زلفین نہ دیکھین اور عالم مستی مین اپنے حکم دینے اور اس کی تعمیل کا واقعہ معلوم ہوا

مقبول نہ ہوئین۔ ناچار وہان سے بھاگ کر بلخ پہونچا۔ فرید کاتب نے ایک قطعے مین اس واقعہ کو نظم فرمایا۔ **قطعہ**

گفت انوری کہ از جہت بادہائے سخت ویران شود عمارت وکاخ سکندری

در روز حکم او نہ وزیدا ست ہیچ باد یا مُرسِلَ الریاح تو دانی نہ انوری

کہتے ہین کہ غریب انوری کے نتیجہ نکالنے مین زرا بھی غلطی نہ تھی۔ کیونکہ اُسی رات طالع میزان مین چنگیز خان پیدا ہوا تھا جو بربادی عالم کا باعث ہوا۔

بادشاہ نے ایک دفعہ انعام مین اپنا خاص گھوڑا انوری کو عطا کیا اتفاق سے وہ اُسی رات کو مر گیا انوری نے اگلے دن دربار مین یہ قطعہ بادشاہ کو سنایا۔ جو بہت مشہور ہے۔ **قطعہ**

شاہ اسپے بہ انوری بخشید باد صرصر بہ گرد او نہ رسید

ہمچنان تیز بود در رفتار کہ شباشب بعاقبت برسید

بادشاہ سنکر بے حد خوش ہوا اور خلعت وانعام سے سرفراز فرمایا۔

انوری سلطان غیاث الدین کے عہد مین وارد ہندوستان ہوا تو معلوم ہوا کہ شعرائے دربار کسیکی رسائی دربار شاہی مین نہین ہونے دیتے۔ اسلیے انوری نے اپنے کو مسخرہ بنایا اور مضحکہ خیز اور بے تکے شعر کہکر لوگون کو ہنسانے لگا چنانچہ ایک شعر مشہور ہے کہ ؎

رفتم در بازار خریدم گنا + قل اعوذ برب الناس ملک الناس الہ الناس من شر الوسواس الخنا

لوگون نے کہا کہ حضرت ”س“ ہی کیون چھوڑ دیا۔ جواب دیا کہ مصرع بڑھجاتا۔ دوسرا شعر یہ بھی مشہور ہے ؎ الی کی بتی ببتج ابجد حطی ہجج یہ اشعار اہل دربار نے سلطان تک پہونچائے سلطان نے مشتاق ہوکر انوری کو طلب کیا۔ اور بھرے دربار مین شعر سنانے کی اجازت دی۔ انوری نے بجائے مہملات کے ایک قصیدۂ غرا جو مدح سلطان غیاث الدین مین کہا تھا۔ جیب سے نکالکر بڑھنا شروع کیا۔ اہل دربار سن کر دنگ رہ گئے۔ سلطان ایک ایک شعر پر لوٹا جاتا تھا۔ اس قصیدہ کا ایک مطلع یہ سن لیجیے۔ **مطلع**

مادر گیتی نہ زادہ زیر چرخ چنبری شاہ چون سلطان غیاث الدین گدا چون انوری

اللہ اللہ وہ مقطع کہا کہ جس کی فصاحت بلائین لے رہی ہے جس پر بلاغت صدقے ہو رہی ہے

علاّمہ فضل الدین خاقانی

خاقانی ایک دفعہ کسی امیر کی مجلس مین پہونچا تو امیر نے اسکے شایان شان تکریم و تعظیم نہ کی اور زیر تخت بیٹھنے کو جگہ دی۔ خاقانی کو بہت ناگوار گذرا اور فوراً یہ قطعہ پڑھکر رخصت ہوا قطعہ

گر فروتر نشست خاقانی　　نہ ورا ننگ نہ ترا ادب است

قل ہو اللہ کہ وصف خالق ماست　　زیر تبت یدا ابی لہب است

ایک دن خاقانی نے ضروریات سے تنگ ہو کر یہ بیت خاقان منوچہر کو لکھکر بھیجی بیت

دشتے دہ کہ در برم گیرد　　یا دشاتے کہ در برش گیرم

مطلب یہ کہ پوستین دے یا ایک کنیز دے کہ گرم رہون۔

خاقان نے جب یہ شعر سنا تو آتش غضب شعلہ ور ہوئی کہ خاقانی نے مجھکو ایسا تنگ چشم سمجھا کہ ایک چیز طلب کی۔ دونون چیزین کیون نہ مانگین۔ اس جرم پر حکم قتل صادر کیا۔ جب یہ حکم خاقانی کو پہونچا تو ایک مکھی کے بال و پر توڑ کر خاقان کے پاس بھیجا کہ یہ خطا مجھ سے نہین ہوئی بلکہ اس مکھی کی ہے جس نے بیٹھ کر "بادشاتے" کو "یا دشاتے" کر دیا۔ خاقان۔ خاقانی کا یہ عذر سنکر مسکرایا اور غصہ فرو ہوا۔ اور اس نکتہ آفرینی پر خوش ہو کر مطلوبات سے زیادہ عطا فرمایا۔

حکیم اوحدالدین انوری

انوری کا تخلص پہلے خاوری تھا۔ کیونکہ خاوران کا رہنے والا تھا۔ کسی نے کہا "این چہ تخلص کردی" خا و رے یعنی خر" اس لیے استاد نے انوری تخلص عطا کیا۔ نجوم مین مہارت تام رکھتا تھا۔ سلطان سنجر کے زمانے مین ساتون ستارے برج میزان مین جمع ہو گئے جس پر انوری نے حکم لگایا کہ ایسا طوفان باد آئے گا کہ مکان و اشجار و شہر کو برباد کر دیگا۔ لوگ بہت خوفزدہ ہوئے اور پناہ کے لیے تحت خانے بنوائے۔ اور تاریخ مقررہ پر ان مین جا بیٹھے۔ مگر اُس رات اتنی بھی ہوا نہ چلی کہ چراغ ہی کو بجھا دے۔ اگلے دن سلطان نے انوری کو طلب کیا۔ اور اس غلط حکم لگانے اور خلق خدا کو پریشان کرنے کی سخت سزا تجویز کی۔ انوری نے طرح طرح کی تاویلات کین مگر

'دویدن، رفتن، استادن، نشستن، خفتن و مردن'

مصرع بالکل مہمل تھا یعنی جملہ چیزین بے مناسبت جمع کر دی تھین، میرزا نے پہلا مصرع لگاکر عجیب فلسفیانہ مضمون پیدا کر دیا مصرع اول

بقدر ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را   دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

میرزا کے لطایف وظرایف بہت مشہور ہین۔ جس زمانے مین وہ کشمیر مین تھا ایک دن ظفرخان کے دربار مین اشعار پڑھ رہا تھا اور ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدا بلند تھی۔ ایک نوخیز نے حسد سے کہا کہ یہ تمام مضامین قدما کے یہان بندھ چکے ہین۔ موجودہ شاعرون کا یہ کام رہگیا ہے کہ صرف لفظون کو اُلٹ پلٹ کر دیتے ہین۔ صائب نے برجستہ کہا بیت

اہل دانش جملہ مضمونہائے رنگین بستہ اند   ہست مضمون نہ بستہ .... شما

چونکہ اتفاقاً شعر حسب حال تھا ظفرخان بے اختیار ہنس پڑا اور میرزا کو انعام دیا۔

ایک صاحب محمد مراد متخلص بہ لائق جونپور کے رہنے والے تھے آغاز شباب مین ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ میرزا صائب کی شہرت سنکر جونپور سے پاپیادہ اصفہان گئے۔ میرزا نے بھی ان کے خلوص و ارادت کی بڑی قدر کی خود اپنے گھر مین مہمان اُتارا۔ اور ہر طرح کی مہمان نوازی کی ان کا بیان ہے کہ مین نے کبھی میرزا کو شعر کے لیے غور و فکر کرتے نہین دیکھا۔ ایک دن خلاف عادت باغ کی روشون پر متفکرانہ ٹہل رہے تھے۔ مین نے سبب پوچھا۔ فرمایا کہ فردوسی کا مشہور شعر ہے۔ شعر

بفرمود تا رخش را زین کنند   دم اندر دم نائے زرین کنند

شفائی نے اس شعر کا جواب لکھا ہے شعر

بفرمود تا زین بر ابرش نہند   چہ زین ہمہ بالائے آتش نہند

مین بھی اس کا جواب لکھنا چاہتا ہون۔ انھون نے کہا کہ مین اس کام کو انجام دون۔ تمام رات کی غور و فکر کے بعد صبح کو یہ شعر لکھکر میرزا کی خدمت مین پیش کیا۔ شعر

بفرمود تا زین بر اُدہم نہند   بہ پشت صبا مسند جم نہند

میرزا نے بہت تعریف کی۔

(از ید بیضا)

کہا۔ ع از شیشۂ بے مے۔ مے بے شیشہ طلب کن + صائب نے بدیہہ جواب مین کہا۔

ع از حق رانہ دل خالی از اندیشہ طلب کن +

شاہجہان نے ایک دفعہ یہ مصرع کہا ع اکنون کرا دماغ کہ پرسد زباغبان + صائب نے سن کر

کہا ع بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد +

ایک دفعہ صائب نے مصرع کہا - ع چون صفیر از خانۂ منقار می آئیم ما +

کسی شاعر نے دوسرا مصرع یہ لگایا - ع از دو جانب پشت بر دیوار می آئیم ما +

جس کو سن کر صائب پھڑک گیا۔

آغاز سن شعور مین جب اسکی شاعری کے جابجا چرچے ہونے لگے تو ایک شخص نے امتحان کے طور پر ایک مہمل مصرع پیش کیا کہ اسپر مصرع لگا دیجیے۔ مصرع یہ تھا ع شمع گرخاموش گشتہ آتش از مینا گرفت +
صائب نے پیش مصرع کہکر اس مہمل مصرع کو بامعنے کر دیا۔ مصرع

امشب از ساقی زبس گرم است محفل میتوان شمع گرخاموش گشتہ آتش از مینا گرفت

یعنی آج محفل ایسی گرم ہے کہ اگر شمع بجھ جائے تو بوتل سے آگ روشن کر لیجا سکتی ہے۔ (عطیہ حضرت زادہ)

جب نواب جعفر خان عہد عالمگیری مین وزیر اعظم مقرر ہوا تو میرزا نے یہ شعر لکھکر بھیجا شعر

دور دستان را باحسان یاد کردن ہمت است ورنہ ہر نخلے بپاے خود ثمر می افگند

جعفر خان نے پانچ ہزار اشرفیان اسکے صلے مین بھیجین۔ (خزانۂ عامرہ)

میرزا صائب کا ایک مطلع ہے مطلع

در ہیچ پردہ نیست نباشد نوائے تو عالم پر است از تو وخالی ست جائے تو

میرزا نے وصیت کی تھی کہ یہ مطلع میرے مزار پر کندہ کیا جائے۔ چنانچہ سنگ مرمر کی لوح پر کندہ ہے

۱۰۸۰ھ ہجری مین بمقام اصفہان وفات پائی۔ "صائب وفات یافت" مادۂ تاریخ ہے

ایک دفعہ راہ مین چلا جا رہا تھا ایک کتے کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ چونکہ کتا جب بیٹھتا ہے تو گردن اونچی کرکے بیٹھتا ہے فوراً یہ مضمون خیال مین آیا بیت

شود ز گوشہ نشینی فزون رعونت نفس سگ نشستہ ز استادہ سرفراز تر است

میرزا خاضع نے ایک دفعہ میرزا صائب کے سامنے یہ مصرع پڑھا۔ مصرع

دشمنم شیر است عمرے پشت بر من کردہ بود ۔ این دم از روے عداوت روے بر من کردہ است
دارم اکنون التماس از شاہ تا با من کند ۔ آنچہ با سلمان علی در دشت ارژن کردہ است

بیرم خان نامہ لیکر گیا اور شاہ جم جاہ کی طرف سے جواب باصواب لیکر واپس آیا۔ سرنامے پر ہمایون کی رعایت سے یہ شعر رقم تھا شعر

ہمائے اوج سعادت بدام ما افتد ۔ اگر ترا گذرے بر مقام ما افتد

دارائے ایران نے حق مہمانی اس خوبصورتی اور دریا دلی سے ادا کیا کہ ہمیشہ صفحات تاریخ پر آب زر سے لکھے جائینگے۔ ایک ادنے دلجوئی و مہمان نوازی یہ تھی کہ تمام مملکت مین حکم جاری کردیا گیا کہ شکست کا لفظ تحریر و تقریر مین نہ آئے تاکہ دلِ مہمان شکستہ نہو۔ یہ واقعہ بھی سننے کے قابل ہے کہ ایک دن جشن شاہی مین ہمایون بھی شریک تھا۔ ارباب نشاط مین سے ایک نے یہ غزل گانا شروع کی غزل

ہمایون منزلے کان خانہ را ماہے چنین باشد ۔ مبارک کشورے کان عرصہ را شاہے چنین باشد
ربخ و راحت گیتی مشو خندان مرنجان دل ۔ کہ آئین جہان گاہے چنان گاہے چنین باشد

دوسرے شعر کا سننا تھا کہ ہمایون کے زخم رسیدہ نازک دل پر ایسی چوٹ لگی کہ آنکھون مین آنسو بھر آئے اول تو شعر مین حقیقی جذبات دوسرے گانے والے کی خوش الحانی نے قیامت کا اثر کیا۔ شاہ کو بھی رنج ہوا۔ اور فوراً گویّے کو محفل سے اُٹھوا دیا اور دوسری چیز کی بلائی گئی۔

میرزا محمد علی صائب اصفہانی

ایک مرتبہ مرزا صائب نے یہ مصرع کہا ع لختے برداز دل گذرد ہر کہ ز پیشم ؛ دوسرے مصرع کی فکر کی مگر جیسا چاہتے تھے نہ ہوتا تھا۔ سخت مضطرب و متفکر تھے۔ ایک دن بازار سے گذرے تو ایک میوہ فروش سردے کی قاشین بیچ رہا تھا اور صدا لگا رہا تھا ع من قاش فروش دل صد پارہ خویشم ؛ میرزا صاحب سن کر پھڑک اُٹھے اور دو ہزار روپیہ پر یہ مصرع میوہ فروش سے خرید کر اپنا مطلع بنایا جو لاجواب ہوگیا۔

ایک دفعہ راقم نے (جو اس دور مین ایک شاعر تھا) یہ مصرع مہمل صایب کو دیکر مصرعۂ ثانی کے لئے

شہنشاہ جلال الدین اکبر

اکبر بادشاہ نے کسی دن ایک ہندو رانی کے گل رخسار پر ہنسی سے ایک گلدستہ کھینچ کر مارا اُس مست ناز نے بناز و ادا اپنی دلکش آواز مین جھجک کر بیساختہ کہا "شہاماری کی" بادشاہ کو یہ انداز دلربا اور یہ تڑپا دینے والا فقرہ بہت پیارا معلوم ہوا اور شعرائے دربار سے ان الفاظ کے نظم کرنے کو فرمایا چنانچہ فیضی نے فی البدیہہ یہ عرض کیا رباعی

دندان تو گلنار بدین باریکی | چون برق درخشندہ بشب تاریکی
گلدستہ گرفتی و زدی بررخ او | آواز برآمد کہ "شہاماری کی"

یہ اشعار سنکر بادشاہ محظوظ ہوا اور فیضی کو خلعت و انعام سے سرفراز فرمایا۔
اکبر بادشاہ باوجود ان پڑھ ہونے کے کبھی کبھی خود بھی شعر کہتا تھا اور بے مثل کہتا تھا۔ ایک دن دردسر کی شکایت مین کہا جسمین کمال یہ کیا کہ آخری مصرع مین ایک مثل پوری نظم کردی۔ اشعار یہ تھے۔

اشعار

دوشینہ بکوئے مے فروشان | پیمانۂ مے بزر خریدم
اکنون زخمار سر گرانم | زر دادم و دردسر خریدم

(ملخص ازخزانۂ عامرہ)

ایک دفعہ فغانی کا یہ شعر کسی نے پڑھا شعر

مسیحا یار و خضرش ہمرکاب و ہمعنان موسی | فغانی آفتاب من بدین اعزاز می آید

اکبر نے برجستہ اصلاح دی ع فغانی شہسوار من بدین اعزاز می آید + (از شعرالعجم حصہ چہارم)

ہمایون بادشاہ دہلی

جب ہمایون شکست کھاکر بخوف شیر شاہ ایران کی طرف روانہ ہوا تو اُس بے کسی اور بے بسی کے عالم مین جبکہ کہین پناہ نہ ملی اور کوئی مددگار نظر نہ آیا تو شاہ طہماسپ صفوی شاہ ایران کو بکمال عجز و الحاح یہ درد بھرا قطعہ لکھا قطعہ

بادشاہا! خسروا! عنقائے عالی ہمتم | قلۂ قاف قناعت را نشیمن کردہ است
روزگار سفلۂ و گندم نمائے جو فروش | طوطیٔ طبع مرا قانع بارزن کردہ است

مطلب رکھے ہین ع

بلبلے برگ گل خوش رنگ در منقار داشت　　　ونداران برگ و نوا صد نالہائے زار داشت

وصال نے ایک دن کی مہلت مانگی - اگلے دن حضور مین اشعار ذیل عرض کیے - **ابیات**

از خصوص شعر حافظ آنچہ پرسیدی ز من　　　بلبلے برگ گل خوش رنگ در منقار داشت

روز و شب غواص گردیدم بہ بحر ابجدی　　　تا بہ بینم این صدف آیا چہ دُر در بار داشت

برگ گل سبز است آن باشد نشانے از حسنؑ　　　زانکہ در وقت شہادت سبزی رخسار داشت

رنگ گل سرخ است آن باشد نشانے از حسینؑ　　　زانکہ در کرب و بلا و عارض گلنار داشت

بلبلے باشد علیؑ کز فرقت آن برگ و گل　　　روز و شب در ماتم شان نالہائے زار داشت

در حقیقت شعر حافظ خوب فہمیدی وصال　　　تا بہ بیند کس کہ در معنیّ تو انکار داشت

بادشاہ شعر حافظ کی یہ دلاویز تشریح سن کر بے حد محظوظ ہوا اور وصال کو خلعت و انعام سے سرفراز فرمایا　(عطیہ حضرت زاہد)

مرزا کامران

مرزا کامران نے ایک حسین و جمیل ہندو معشوقہ سے جس کا عنفوان شباب دیکھنے والون کے دلون پر برچھیان لگا رہا تھا - جس کی کافر اداؤن کو دیکھکر زاہدون کا بھی وضو شکست تھا - جس کا حسن دل آویز چودھوین کے چاند کو بھی شرما رہا تھا - جس کی اُٹھتی جوانی کو دیکھکر بیساختہ یہ شعر زبان پر آجاتا تھا - **شعر**

یہ آدھی رات وصل کی یہ چودھوین کا چاند　　　کیا کیا مقابلہ ہے تمھارے شباب کا

بوسۂ لب شیرین کی درخواست کی - اس غارت گر ایمان نے ایک ادائے معشوقانہ سے کہا "ناہی ناہی" یہ بولی اُس کافر ادا کی زبان سے مرزا کامران کو بہت پیاری معلوم ہوئی اور اُسی وقت یہ رُباعی نظم فرمائی - **رباعی**

ہندو صنمی کز و رخم شد کاہی
در داکہ ندارد ز غمم آگاہی
گفتم ز لبت کام من خستہ برآر
در خندہ شد و گفت کہ "ناہی ناہی"

ملک الشعرا حکیم قاآنی شیرازی

کہتے ہین کہ حکیم قاآنی نے جب وفات پائی تو اُن کے بھائی علامہ مرزا محمد علی نے نہ نماز جنازہ پڑھی۔ نہ تجہیز و تکفین مین شریک ہوے۔ لوگون نے سبب دریافت کیا تو فرمایا "مردکہ دایم الخمر بود و بہ تملق و مدح اہل دنیا بسر بُرد برید بہ گورستان بہود" مگر لوگون نے بڑے دھوم دھام سے جنازہ اُٹھایا۔ اور خاص اہتمام کے ساتھ تجہیز و تکفین کی۔ مرنے کے دوسرے دن علامہ موصوف نے قاآنی کو خواب مین دیکھا کہ بہشت مین تخت زمردین پر جلوہ افروز ہے۔ حورین مروحہ جنبانی کر رہی ہین۔ غلمان کمر بستہ باادب پیچھے کھڑے ہین۔ طرح طرح کے میوے اور طعام سامنے چنے ہوئے ہین۔ علامہ اس اعزاز اور مرتبے کو دیکھکر سخت متحیر ہوے اور آگے بڑھکر پوچھا کہ "قاآنی این عظمت و منزلت از کجا یافتی" مسکرا کر جواب دیا۔ "واللہ باجر یک مرثیہ سید الشہدا کہ در آخر دیوان گفتہ بودم" ؎

باردچہ؟ خون دیدہ چیان روز و شب چرا — از غم - کدام غم - غم سلطانِ اولیا

علامۂ موصوف خواب سے بیدار ہوے اور اہل شہر سے خواب بیان کیا۔ اور قاآنی کے لیے نماز پڑھی۔ (اِس موقع پر خاکسار مؤلف کو اپنا یہ شعر یاد آگیا۔ کیا عجب کہ نجات کا باعث ہو)

ہون گنہگار مگر شک مجھے تعزیہ مین ہے — بڑھ کے رحمت سے تری کیا مرے عصیان ہونگے

ملک الشعرا وصال شیرازی

فتح علی شاہ قاچار ایک دن فلٹن پر سوار جا رہے تھے۔ وصال شیرازی بھی ہمراہ تھے۔ باتون باتون مین فردوسی کا ذکر آگیا۔ شاہ نے فرمایا کہ فردوسی کا نظیر پیدا ہونا مشکل ہے۔ وصال نے دست بستہ عرض کیا۔ قدردان چاہیے ورنہ اہل کمال کی اب بھی کمی نہین۔ شاہ نے فرمایا کہ اچھا اس وقت ہمارے گھوڑے کی تعریف مین شعر موزون کرو۔ وصال نے ذرا تامل سے عرض کیا۔ ؎

خور اشید و پوشید شبرنگ شاہ — زسم پشت ماہی زدم روئے ماہ

شاہ نے تحسین کی اور یہ فرمایا کہ واقعی یہ شعر فردوسی کے رنگ مین کہا گیا اور مورد انعام کیا۔

ناصر الدین شاہ قاچار نے ایک دن وصال شیرازی سے پوچھا کہ خواجہ حافظ نے اس شعر مین کیا

محمد شاہ

ایک شب محفل عیش و نشاط جمی ہوئی تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ محمد شاہ مست عشرت تھا حاضرین مین سے کسی نے کہا کہ رات آخر ہے اور ابھی بعض طایفے گانے والے باقی ہین۔ کیا حکم ہوتا ہے۔ فرمایا ؎

یار در بر صبح بر سر فکر بر جایش کنید　　عاشقان شب میرود زنجیر در پایش کنید

دربار محمد شاہی مین ایک دن امیر خان عمدۃ الملک نے اپنے بزرگون کی بزرگی اور منصب ہاے جلیلہ پر ہونا بیان کر کے کہا کہ یہ ننگ خاندان اب اس حالت سے ہے۔ برہان الملک نے یہ شعر پڑھا

شعر

پسر نوح با بدان بنشست　　خاندانِ نبوتش گم شد

امیر خان نے کہا کہ ہان اب ذرا دوسرا شعر بھی پڑھ دیجیے۔ **شعر**

سگ اصحاب کہف روزے چند　　پے نیکان گرفت و مردم شد

محمد شاہ کے دربار مین ایک دن نادر شاہ کے سامنے نور بائی کنچنی جو ناچ گانے کے علاوہ حاضر جواب بھی بلا کی تھی۔ خوب خوب گایا۔ نادر شاہ نے انعام دیا اور فرمایا کہ "نور بائی روئے ہند سیاہ کن" بیا کہ بہ ایران بریم" یہ سنتے ہی نور بائی کا رنگ فق ہوگیا پھر ذرا سنبھلی۔ اور یہ غزل گائی ؎

من شمع جانگدازم تو صبح دلربائی　　سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

نزدیکت این چنینم دورت چنان کہ گفتم　　نے تاب وصل دارم نہ طاقتِ جدائی

نادر شاہ اس برجستہ و برمحل غزل سے بہت محظوظ ہوا اور نور بائی کا مطلب تاڑ کر اپنے ارادے سے باز رہا۔

نعمت خان عالی

ایک دفعہ امیر کبیر حسن خان نے نعمت خانِ عالی کو عمدہ عمدہ آم (انبہ) بطور ہدیہ دوستانہ بھیجے۔ نعمت خان عالی نے اس کے شکریہ مین ایک مزیدار نظم مین رسید لکھ کر بھیجی۔ جس مین لطیف ترین یہ تھا۔ **شعر**

انبہ فرستاد حسن خان بمن　　اَنْبَتَہُ اللّٰہُ نَبَاتاً حَسَن

عالمگیر نے اپنے عہد مین ملا عبد القوی کو جو ایک بڑے عالم اور جن کا خطاب اعتماد خان تھا سرمد کے پاس فہمایش اور منکرات سے باز رہنے اور برہنہ پھرنے سے منع کرنے کو بھیجا۔ ملا صاحب نے سرمد سے کہا "سرمد عریان چرا میگردی"، سرمد نے جواب دیا "شیطان قوی ست" ملا صاحب اور دیگر علما نے فتوائے قتل دیا۔ قتل کے وقت سرمد نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

سرجدا کرد از تنم شوخے کہ باما یار بود　　　قصہ کوتہ کرد ورنہ دردِ سر بسیار بود

کہتے ہین کہ ایک دفعہ خود عالمگیر نے بھی آپ سے کہا تھا کہ "عریان چرا میگردی" سرمد نے نہایت استقلال سے جواب مین وہ رباعی پڑھی تھی جو بزم خیال مین درج ہو چکی ہے ؎ آنکس کہ ترا تاج جہانبانی داد الخ اور وقت قتل یہ رباعی پڑھی تھی　رباعی

در مسلخ عشق جز نکو را نکشند　　　لاغر صفتان تند خو را نکشند
گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز　　　مردار بود ہر انچہ اورا نکشند

ملا محمد طاہر غنی کشمیری

کہتے ہین کہ ملا غنی نے ایک لاکھ اشعار مین سے دو ہزار شعر انتخاب کرکے ایک بیاض مین لکھے باقی دریا مین ڈبو دیے۔ بیاض مذکور مرزا صائب کو بھیجی تو میرزائے مذکور نے غنی کا یہ شعر پڑھکر قصد کشمیر کیا ؎

موئے میان تو شدہ کالبن　　　کرد جدا کاسۂ سرہا ز تن

کسی نے پوچھا کالبن کسے کہتے ہین فرمایا کہ اُس ڈورے کو کہتے ہین جس سے کاسہ گر بعد تیاری کاسے کو چاک سے الگ کرتے ہین۔

میرزا صائب غنی کے اس شعر کو　شعر

حسن سبزے بخطِ سبز مرا کرد اسیر　　　دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

پڑھکر پھڑک اُٹھے اور بے ساختہ وجد مین آکر کہہ اٹھے کہ کاش جو کچھ مین نے کہا ہے وہ سب یہ ملائے کشمیری لے لیتا اور یہ شعر مجھے دیدیتا جس شعر کے لیے صایب سا اہل کمال اور نغز گو شاعر یہ کہے اس شعر کے مرتبے کا کیا پوچھنا۔

کہان سے پاؤنگا - مولانا تبریزی نے حوض مین ہاتھ ڈالکر ایک ایک کتاب نکال کر رکھدی جن پر پانی کا زرا بھی اثر و نشان نہ تھا - مولانا رومی نے یہ معجزہ دیکھکر کہا - العجب - ثم العجب یہ کیا بھید ہے - مولانا تبریز نے فرمایا کہ اسکو ذوق وحال کہتے ہین آپ کو اسکی کیا خبر - اسکے بعد مولانا رومی زمرۂ ارادتمندان مین داخل ہوئے -

شیخ نظام الدین اولیا رح

کہتے ہین کہ جب ۷۲۵ھ ہجری مین آپ کا وصال ہوا تو جنازے پر قوال شیخ سعدی کا یہ شعر گا رہے تھے

شعر

سرو سیمینا بصحرا می روی — نیک بدعہدی کہ بے ما میروی .

آپ کی لاش نے حرکت کی یہ دیکھکر حضرت چراغ دہلی نے جو اُس وقت وہان موجود تھے صدا بلند کی کہ "شیخا باش کہ قدم سیّد درمیان ست" چنانچہ وہ حرکت جاتی رہی -

شیخ موصوف کے لیے اُس وقت کے مفتی شیخ ضیا نے جب فتوائے کفر صادر کیا تو آپ نے اُسکے جواب مین یہ لطیف قطعہ نظم فرمایا **قطعہ**

ضیائے بے ضیا گر کافرم خواند — چراغِ کذب را نبود فروغے
مسلمان خوانمش بہرِ مکافات — دروغے را چہ آید جز دروغے

سرمد شاہ رح

آپ ایران کے یہودی سوداگر تھے - عہد شاہجہان مین مسلمان ہوکر بتقریب تجارت ہندوستان آئے - سعید نام تھا - اور ٹھٹھ مین ایک مہاجن کا لڑکا نہایت حسین وجمیل تھا - اُس پر عاشق ہوکر سب مال واسباب و دولت لٹاکر مجذوب ہوگئے - دلی مین آکر صاحب کشف وکرامات مشہور ہوے تو شاہجہان نے ایک امیر عنایت خان کو دریافت حالات کے لیے مامور کیا جس نے بعد تحقیقات بادشاہ کے حضور مین یہ شعر عرض کیا **شعر**

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است — کشفے کہ ظاہر است از و کشف عورت ست

قضا گفت گیر و قدر گفت دہ فلک گفت احسن ملک گفت زہ

احسنتَ کہنا چاہیے تھا نہ کہ احسن - فردوسی نے کہا "فلک گفت نہ کہ من گفتم"

شیخ ابوالفیض فیضی

کہتے ہین کہ فیضی نے باوجود کثرت شعرائے معاصرین اور ہنگامہ آرائی کے - کبھی کسی امیر یا شاعر کی ہجو سے زبان کو آلودہ نہین کیا - چنانچہ اکبر بادشاہ نے جب یہ بات سنی تو فیضی سے پوچھا فیضی نے فوراً جواب دیا ؎

منم فیضی کہ در میدان معنیٰ چو من چابک سوارے تیز تگ نیست
بہ جلد شعر من از پوست تا مغز ہجائے مردم ناپاک رگ نیست
بدان می ماند این پاکیزہ گفتار کہ در دیوان حافظ نام سگ نیست

ایک دفعہ سلطان روم کا ایلچی دربار اکبری مین آیا - اور سلطان کی تحریر دست بدست اکبر بادشاہ کے حضور مین پیش کی - بادشاہ چونکہ پڑھا لکھا نہ تھا - تحریر مذکور کو اُلٹی جانب سے دیکھنے لگا - اس پر سفیر روم کچھ مسکرایا - فیضی جو دربار مین حاضر تھا فوراً تاڑ گیا کہ سفیر بادشاہ کے ناخواندہ ہونے اور تحریر کو اُلٹا لیکر دیکھنے پر مسکرایا - جس سے بادشاہ کو بھی کچھ جھینپنا پڑا - فوراً سفیر مذکور سے خطاب کر کے یہ فقرہ کہا ÷

"در حضرت ما سخن مگوئید کہ پیغمبر ما نیز اُمّی بود"

مولانا محمد بن ملک داد المعروف بہ شمس تبریزی

کہتے ہین کہ مولانا شمس تبریز جب قونیہ مین وارد ہوئے تو مولانا جلال الدین رومیؒ ایک حوض کے کنارے بیٹھے تھے اور کتابون کا پشتارہ سامنے رکھا تھا - مولانا شمسؒ نے پوچھا کہ یہ کون سی کتابین ہین - مولانا رومی نے عرض کیا کہ ان کو قیل وقال کہتے ہین - آپ کو اس سے کیا علاقہ مولانا تبریزی نے ہاتھ بڑھا کر سب کتابین اُٹھالین اور حوض مین پھینک دین - مولانا رومی نے زانو پہ ہاتھ مار کر کہا کہ اے درویش یہ تو نے کیا غضب کیا - یہ کتابین نادر الوجود و کمیاب تھین - اب

حور وغلمان مصروف خدمت ہین۔ شیخ نے پوچھا کہ یہ رتبہ تجھکو کیسے ملا۔ جواب دیا کہ صرف اس شعر توحید کے عوض ؎

جہان را بلندی وپستی توئی　　　ندانم چۂ ہر چہ ہستی توئی

شیخ خواب سے بیدار ہو کر مزار فردوسی کی زیارت کو گئے اور اُسکی روح پاک سے معذرت خواہ اور طالب عفو ہوئے۔

کہتے ہین کہ صاحبقران امیر تیمور گورکانی تسلط ایران کے بعد غزنین مین سلطان محمود کی قبر پر آیا تو از راہ تجبر و شماتت قبر کی طرف اشارہ کر کے یہ شعر پڑھا۔ ؎

سر از قبر بر کن تماشا ببین　　　دلیرانِ توران بہ ایراں زمین

اتفاق دیکھیے کہ قبر سلطان محمود پر شاہنامہ مطلا و مذہب رکھا ہوا تھا۔ امیر تیمور نے جانا کہ قرآن مجید ہو گا۔ بوسہ دیکر اُٹھایا اور کھولا تو شاہنامہ فردوسی تھا۔ پہلا شعر جو نظر پڑا وہ یہ تھا

؎ ز شیران چو خالی شود مرغزار　　　کند روبۂ لنگ در وے شکار

پڑھکر پیشانی پر پسینہ آگیا۔ رومال سے پونچھا۔ اور کتاب کو بند کر کے وہین رکھدیا۔

فردوسی کے صلۂ شاہنامہ نہ پانے اور محروم رہنے کا واقعہ تاریخ عالم کے ساتھ یادگار رہیگا چنانچہ کسی سخنور نے یہ رباعی کہی جو آج تک مشہور چلی آتی ہے دبہت کچھ حافظہ پر زور ڈالا مگر مصرعۂ اولی اس وقت یاد نہین آیا۔ (غالباً مصرعۂ اولے مین گردون گردان کی طرف اشارہ ہے۔

رباعی . . . .　　　سہام حادثہ راکرد عاقبت توسی

برفت دولت محمود و آن زمانہ نماند　　　جزین فسانہ کہ نشناخت قدر فردوسی

نوٹ

میرے محترم بزرگ حضرت زاہد سہارنپوری۔ فردوسی کے واقعات لکھنے کے بعد آخر مین تحریر فرماتے ہین کہ "منوچہر بلخی کا قصیدہ پڑھنا اور دیگر واقعات جو "بزم خیال صفحۂ ۳۹ و ۴۰ و ۱۴۱۔ پانچوین اڈیشن") مین لکھے گئے کہین نظر سے نہین گذرے۔ غالباً مصنف ناول منصور و موہنا نے زیب داستان کے لیے اختراع کیے ہین"۔ واللہ اعلم بالصواب۔　　　مؤلف

کسی نے فردوسی سے کہا کہ لوگ کہتے ہین کہ اس شعر مین۔ ؎

اہل مستحق ہین کہ شاہنامہ آپ کے نام سے منسوب کیا جائے۔ شہریار نے کہا کہ استاد غضمند حاسدون نے بادشاہ کو بہکا کر اس بخل پر آمادہ کر دیا۔ ورنہ سلطان ایسا نہ کرتا۔ شاہنامہ اُسی کے نام پر رہنا چاہیے۔ اور اُس کی ہجو مجھکو دو تاکہ جلا دون یا دھو ڈالون۔ اور ہر بیت ہجو کے عوض فی بیت ایک ہزار درم کے حساب سے ایک لاکھ درم فردوسی کو دیے اور اشعار ہجو کو دھو ڈالا۔ پھر وہان سے فردوسی قہستان مین ناصر لک کے پاس جس سے دیرینہ تعلقات دوستی تھے گیا۔ اور ارادہ کیا کہ تمام بدعہدی سلطان و غمازی وزیر کو نظم کرے۔ تاکہ یادگار زمانہ رہے مگر ناصر لک محتشم نے روکا اور بڑی شکل سے باز رکھا۔ اور جو شعر لکھنے شروع کیے تھے ناصر لک کو دیے اُسنے دھو ڈالے مگر پھر بھی باقی رہے۔ ذیل کے چند اشعار اب تک یادگار زمانہ ہین۔ ؎

به غزنین مرا گرچه خون شد جگر | ز بیداد آن شاه بیدادگر
کزان هیچ شد رنج سی ساله ام | شنید آسمان از زمین ناله ام
همی خواستم تا فغانها کنم | به گیتی ازان داستانها کنم
بگویم ز مادرش نیز از پدرش | نترسم ز کس جز خداوند عرش
کنمش آنچنان روسیه از نخست | که نتواند آن را به هیچ آب شست
چو دشمن بنی داد از دست باز | به تیغ زبانش کنم پوست باز
ولیکن بفرمود که محتشم | ندانم کزین پیش چون سر کشم
فرستادم از گفته ها داشتم | به نزدیک خود هیچ نگذاشتم
اگر باشد این گفته ها ناصواب | بسوزان به آتش بشو یا به آب
گذشتم ایا سرور نیک رای | ازین داوری تا به دیگر سرای

رسد لطف یزدان بفریاد من
ستاند به محشر ز تو داد من

بعد وفات فردوسی شیخ ابو القاسم گرگانی علامۂ عصر نے فردوسی پر یہ الزام لگایا کہ اس نے تمام عمر آتش پرستون کی مدح مین گذاری۔ کبھی بھول کر نماز نہ پڑھی۔ نہ کوئی نیک کام کیا۔ اسی رات خواب مین دیکھا کہ فردوسی جنت الفردوس مین نہایت اعزاز کے ساتھ مصروف عیش ہے۔ اور

فیلان کوہ پیکر کی چڑھائی کی دھمکی کا اس سے بڑھکر اور کوئی جواب نہیں ہو سکتا - وہ لکھتا ہے کہ -
اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ اور یہ ضرور فردوسی نے لکھا ہے سلطان دم بخود ہو کر رہگیا
سلطان محمود نے ایک دفعہ قبل حملہ دلی کے راجہ کو تہدید نامہ لکھوایا - اور منشی خاص حسن میمندی
سے فرمایا کہ پیغام تہدید مین کیا لکھو گے - یعنی اگر جواب حسب مرادنہ آیا تو کیا برتاؤ کیا جائیگا - حسن میمندی
نے فوراً دست بستہ یہ اشعار فردوسی کے عرض کیے ؎

اگر جز بکام من آید جواب　　من و گرز و میدان و افراسیاب
چنانش بکوبم بہ گرزِ گران　　کہ پولاد کوبند آہنگران

سلطان نے جب یہ اشعار سُنے تو حالت وجد طاری ہوئی - اور آنکھون مین آنسو بھر آئے اور فرمایا
کہ افسوس ہم نے فردوسی کی قدر نہ جانی اور فوراً حکم دیا کہ حسب وعدہ ساٹھ ہزار اشرفیان مع خلعت
شاہانہ و ہدایا فردوسی کے پاس روانہ کیے جائین -

فردوسی ہرات سے بھاگ کر طوس کی طرف روانہ ہوا - جب سواد شہر مین پہونچا تو دیکھا کہ ایک
لڑکا یہ شعر گاتا جا رہا ہے ؎

اگر شاہ را شاہ بودے پدر　　بسر بر نہادے مرا تاج زر
اگر مادرِ شاہ بانو بدے　　مرا سیم و زر تا بہ زانو بدے
پرستار زادہ نیاید بکار　　اگرچہ بود زادۂ شہریار

یہ اشعار سن کر فردوسی کو سخت استعجاب ہوا کہ میرا کلام مجھ سے پہلے یہان بچے بچے کی زبان تک
پہونچ گیا - (مؤلف) بقول استاد ؎

حیران ہون کہ اُڑ کے پہونچتا ہے منزلون　　ظاہر مین بال و پر ہین نہ مرغِ سخن کے پاؤن

اس خیال کے آتے ہی فردوسی ایک دوسرے عالم مین پہونچ گیا اور اپنی بربادی عمر عزیز اور محرومی
کا نقشہ نظرون مین پھر گیا - ایک پر درد آہ کی اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا - لوگ اُٹھا کر گھر پر لیگئے
وہان پہونچ کر طائر روح نے فردوس برین کی طرف پرواز کی - انا للہ وانا الیہ راجعون -

فردوسی نے جب طبرستان مین شہریار سپہ دار کے پاس جا کر پناہ لی تو سلطان محمود کی ہجو اُسکو
سنائی اور کہا کہ شاہنامے مین چونکہ آپ کے بزرگون کے حالات ہین - اس لیے آپ زیادہ

اور تصاویر و نقشہ ہائے کارزار سے آراستہ کیا گیا تھا جسے دیکھکر بے ساختہ یہ شعر زبان پر آجاتا تھا

بلندی اس مکان کی گھر کیے لیتی ہے آنکھوں میں　　　کسی مہ پارۂ نوخیز کی اُٹھتی جوانی ہے

اور سوائے ایاز کے ہر ایک کو وہان جانے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی تاکہ کوئی مخل نہ ہو

ایک دن فردوسی ایک واقعۂ جنگ نظم کر رہا تھا۔ کہ ایک پہلوان نے حریف کو خنجر سے ہلاک کیا اُس موقع پر جو شعر لکھنا چاہتا تھا حسب دلخواہ نظم نہ ہوتا تھا۔ اچانک ایک غلام حبشی کو موت وہان کھینچ لائی۔ فردوسی اپنی دُھن مین ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اور پیچ و تاب کھارہا تھا۔ غلام کو دیکھکر آگ ہوگیا اور چونکہ خود مسلح رہتا تھا خنجر میان سے نکال کر متواتر غلام کے پیٹ مین مارے۔ غلام کے زخم کاری آئے اور گر کر مرگیا۔ چار طرف خون ہی خون بہ رہا تھا۔ فردوسی نے یہ منظر دیکھا تو فوراً یہ شعر نظم ہوگیا ؎

چکا چاک خنجر بہ گردون رسید　　　جگر پارہ شد خون بجیحون رسید

سلطان کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ جب سختی سے عام ممانعت کردی گئی تھی تو وہ اجل گرفتہ وہان کیون گیا۔ لیکن دوسرے روز جب فردوسی حاضر دربار ہوا تو فرمایا کہ " دی روز غلام ما راکشتی " فردوسی نے عرض کیا کہ " غلام از دست رفت رفت شعر بدست آمد "

بعد اتمام شاہنامہ جب سلطان محمود نے بعض سفلہ و کوتہ اندیش حاسدون کے بھڑکانے سے اپنا وعدۂ صلہ پورا نہ کیا تو فردوسی نے ہجو کہی جو آج تک زبان زد خلایق ہے۔ اور جب تک زبان فارسی باقی ہے رہیگی۔ فردوسی غزنی سے بھاگ کر بغداد مین پناہ گزین ہوا۔ سلطان ہجو سن کر بے حد برافروختہ ہوا اور حکم دیا جہان پاؤ گرفتار کرلاؤ۔ کچھ دنون مین پتا چلا کہ بغداد مین ہے۔ سلطان نے وہان کے حکمران کو لکھوایا کہ " فردوسی ہمارا گنہگار جو وہان بھاگ کر آیا ہے۔ اُس کو فوراً وہان بھیجدو۔ ورنہ یاد رہے کہ وہ فوج لیکر چڑھائی کرونگا۔ جس مین وہ فیلان کوہ پیکر ہونگے جو ہندوستان سے لایا ہون اور ملک کو ہاتھیون سے پامال کرادونگا " یہ فرمان عتاب آگین پاکر والی ملک نے فردوسی سے کہا کہ اب کیا کیا جائے۔ فردوسی نے کمال استقلال سے قلم اُٹھا کر پشت فرمان پر جلی حرفون مین لکھدیا " الم۔ الم۔ والسلام " اور پیامبر کو دیدیا۔ دربار سلطانی مین جب یہ جواب پہونچا۔ تو کوئی نہ سمجھا کہ یہ کیا جواب آیا ہے۔ آخر بہت دیر غور اور فکر کے بعد ایک ندیم خاص نے زانو پر ہاتھ مار کر کہا کہ واللہ عجب دندان شکن جواب لکھا ہے۔ اور

سب نے مل کر تحسین کی استاد عنصری نے پوچھا کہ کیا آپ تاریخ سلاطین عجم سے واقف ہین؟ فردوسی نے کہا خوب واقف ہون بلکہ تاریخ میرے ساتھ ہے۔ استاد عنصری نے اشعار دقیق و بلیغ مین امتحان لیکر قادر سخن پایا تو معذرت خواہی کی اور سلطان کے دربار تک ہونچا کر نظم شاہنامہ پر مامور کرا دیا

بعض کہتے ہین کہ ایک ندیم سلطان نے سلطان سے فردوسی کی سرگذشت بیان کر کے بے حد تعریف کی اور بعض اشعار جنگ رستم و سہراب کے جو فردوسی نے کہے تھے سنائے جس کو سنکر سلطان بہت محظوظ ہوا اور فردوسی کو طلب کیا۔ فردوسی نے زمین ادب کو بوسہ دیکر چند اشعار ذیل جو مدح سلطان مین کہے تھے دربار مین پڑھے سلطان سن کر اور بھی زیادہ خوش ہوا۔ اور نظم شاہنامہ کی خدمت پر مامور کیا۔

زیزدان بر شاہ باد آفرین | کہ نازد باد تخت و تاج و نگین
جہاندار محمود شاہ بزرگ | بآبے خوراند ہمی میش و گرگ
جہان آفرین تا جہان آفرید | چو او مرزبانے نیامد پدید
بہ گیتی بکان اندرو زر نماند | کہ منشور نام ورا بر نخواند
چو کودک لب از شیر مادر بشست | بگہوارہ محمود گوید نخست
بہ تن زندہ پیل و بجان جبرئیل | بکف ابر بہمن بدل رود نیل

ایک دن سلطان محمود نے شعرائے دربار سے ایاز کے چشم و مژگان کی تعریف مین شعر کہنے کے لیے حکم دیا۔ سب نے ازراہ ادب فردوسی کی طرف اشارہ کیا۔ فردوسی نے "بچشم" کہکر اُسی وقت یہ دو شعر کہے

مست ست بُتا چشم تو و تیر بدست | بس کس کہ زتیر چشم مست کہ بخست
گر پوشد عارضت زرہ عذرش ہست | کز تیر بترسد ہمہ کس خاصہ زمست

سلطان نے نہایت متانت شاہانہ کے ساتھ فردوسی کی قادر الکلامی کی داد دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ "مجلس ما را فردوسی ساختی"

سلطان محمود نے اپنے خانہ باغ خاص مین فردوسی کو ایک مکان دل کشا مرحمت فرمایا جس مین رہ کر فردوسی شاہنامہ لکھا کرے۔ یہ مکان علاوہ شاہانہ فرنیچر کے ہر قسم کے آلات و اسلحہ جنگ

نظامی گنجوی کہتا ہے۔ ؎

سخن گوے پیشینہ دانائے طوس   کہ آراست روئے سخن چون عروس

شیخ سعدی کا قول ہے ؎

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد   کہ رحمت بران تربت خاک باد

ایک اور اُستاد نے فرمایا ہے ؎

سکۂ کاندر سخن فردوسی طوسی نشاند   کافرم گرہیچ کس از جملہ فردوسی نشاند

اول از بالائے کرسی بر زمین آمد سخن   او دگر دستش گرفت و برسر کرسی نشاند

اساتذہ مین سے ایک نے فرمایا ہے (مولانا عبدالرحمن جامی) ؎

در شعر سہ تن پیمبر انند   ہر چند کہ لانبیّ بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را   خاقانی و انوری و سعدی

بعض نے مصنف سے پوچھا کہ فردوسی را چرا گذاشتی" جواب دیا کہ" او خدائے سخن بود نہ پیمبر"
جب فردوسی حاکم طوس کے مظالم سے تنگ آکر غزنی آیا۔ تو کنار شہر مذکور ایک باغ مین ملک الشعرا عنصری مع اپنے تلامذہ فرخی و عسجدی کے گلگشت مین مصروف تھے۔ یہ بھی اُسی باغ مین آگیا۔ فرخی و عسجدی نے فردوسی کو دیکھکر کہا کہ اس دہقانی کو کسی طرح ٹالنا چاہیے۔ ورنہ ہماری صحبت اور عیش منغص ہوگا۔ اُستاد عنصری نے اُنکو روکا کہ بغیر تحقیق ایسی دلیری نہ چاہیے۔ پہلے کسی شعر سے امتحان لینا چاہیے۔ اگر ذوق سخن رکھتا ہے تو لطف صحبت دوبالا ہوگا۔ ورنہ وہ خود نادم ہوکر چل دیگا۔ پس عنصری نے فردوسی کو بلا کر کہا کہ اے برادر ہم تینون سلطانی دربار کے شاعر ہین۔ ہماری صحبت مین غیر شاعر کا دخل موزون نہین۔ ہم ایک ایک مصرع کہتے ہین اگر چوتھا مصرع تم نے بھی کہدیا تو ہمارے شریک صحبت رہنا۔ ورنہ ہماری صحبت کو برہم وخراب نہ کرنا پس ہر ایک نے ایک ایک مصرع کہا۔

اول استاد عنصری نے پہل کی۔ عنصری ع چون عارض تو ماہ نباشد روشن +

عسجدی۔ ع مانند رخت گل نبود در گلشن +

فرخی۔ ع مژگانت ہمی گذر کند از جوشن +

فردوسی نے فوراً کہا ع مانند سنان گیو در جنگ پشن +

مولانا عرفی نے اپنے مشہور قصیدہ ترجمۃ الشوق مین فلک کو خطاب کرکے یہ شعر فرمایا تھا ؎

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم
اگر بہ ہند ہلاکم کنی وگر بہ تتار

خدا کی شان یہ شعر اُس وقت کہا گیا کہ بالکل وہی ہو کر رہا۔ یعنی عرفی کے انتقال کے کچھ دنون بعد میر صابر اصفہانی کا گذر مولانا کی قبر پر ہوا اور وہ عرفی مرحوم کی لاش قبر سے نکالکر لیگئے اور خاص اہتمام کے ساتھ لیجا کر نجف مین دفن کیا۔ ملا رونقی ہمدانی نے اس واقعہ کی تاریخ مصرعۂ شعر مذکور سے کیا خوب نکالی۔ فرماتے ہین۔ ؎

یگانہ گوہر دریائے معرفت عرفی
کہ آسمان پئے پرورشش صدف آمد

چو عمر او بسر آمد ز گردش گردون
شکست بر صفِ دلہائے پر شغف آمد

بگوش چرخ رسانید حرف جانسوزی
کہ عمرم از تو چون معرض تلف آمد

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم
فگند تیر دعائے و بر ہدف آمد

رقم زد از پئے تاریخ رونقی کلکم
بکاوش مژہ از گور تا نجف آمد

۹۸ ۱۰۱۱ھ

سحبان العجم حکیم فردوسی طوسی

اسحاق بن شرف فردوسی فردوس واقع طوس کا باغبان تھا۔ اس لیے فردوسی تخلص اختیار کیا تھا۔ یا یہ وجہ بیان کیجاتی ہے کہ سلطان محمود نے جب اُس کے اشعار کی تازگی و سرسبزی ملاحظہ کی تو فرمایا کہ

" مجلس مارا فردوسی ساختی "

اسلیے فردوسی تخلص کیا۔ غرض کہ یہ مسلم ہے کہ تمام استادون نے اُسکو اُستاد اور افضل الشعرا تسلیم کیا۔ دولت شاہ نے لکھا ہے کہ اس پانسو برس کے اندر کسی شاعر کو جواب شاہنامہ لکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور شاعرون مین سے کسی کو یہ بات نصیب نہین ہوئی۔

صاحب تذکرۂ آتشکدہ نے لکھا ہے کہ اس سات سو برس مین کوئی اُسکی برابری نہ کر سکا۔ بلکہ کسی نے اُسکی شاگردی سے سرتابی نہین کی۔ انوری کہتا ہے ؎

آفرین بر روان فردوسی
آن ہمایون نژاد فرخندہ

او نہ استاد بود و ما شاگرد
او خدا وند بود و ما بندہ

شہنشاہ جلال الدین اکبر نے ۹۹۷ھ ہجری مین کشمیر کا جو سفر کیا تھا اُس مین عرفی بھی ہمرکاب تھا اکبر نے کسی موقع پر ایک گھوڑا بھی انعام مین دیا تھا - بجائے اس کے کہ شکر کا اظہار کرتا اُلٹے گھوڑے کی ہجو لکھی - ؎

شاہنشہا حقیقت اسپے کہ دادۂ   بشنو ز لطف تا برسانم بعز عرض
ہستم بر او سوار یعنی پیادہ ام   گامے بطول می زدم اکنون زدم بعرض

شیخ سعدی نے ایک قطعہ مین یہ مضمون باندھا تھا کہ اُس شاعر کو عاشقی کا نام نہ لینا چاہیے جو قصیدے مین دو چار شعر عشقیہ کہکر مداحی شروع کر دیتا ہے - عرفی نے اسپر ایک قطعہ لکھا ہے اسمین شہزادہ سلیم کی طرف جسکا وہ دلدادہ تھا - نہایت لطیف اشارہ کیا ہے - ؎

دی کسے گفت کہ سعدی گہر افروز سخن   قطعۂ گفت کہ اندیشہ بران می نازد
سخن عشق حرامست بران بیہدہ گوئے   کہ چو دہ بیت غزل گفت، مدیح آغازد
گفتم این خود ہمہ عیب است کہ در راہ تمیز   ہر کہ این لاف زند رخش دوئی می تازد
لوحش اللہ ز کیف اندیشی عرفی کورا   آن کہ ممدوح بود عشق بہ او می نازد

یعنی سعدی گو ممدوح کو معشوق پر ترجیح نہین دیتے لیکن بہر حال معشوق کے علاوہ انکا کوئی ممدوح بھی ہے لیکن میرا تو ممدوح وہی ہے جو معشوق ہے -

ظہوری سے اکثر دوستانہ خط و کتابت رہتی تھی - ایک دفعہ ظہوری نے کشمیر کی شال تحفہ مین بھیجی غالباً شال معمولی درجہ کی تھی - عرفی نے جواب مین رقعہ لکھا - جسمین تین رباعیان شال کی ہجو مین تھین - ایک یہ ہے - ؎

این شال کہ وصفش نہ حد تقریر است   آیات رعونت مرا تفسیر است
نامش نہ کنی تماشش کشمیری کرد   صد رخنہ بکار مردم کشمیر است

تذکرۂ سرخوش مین لکھا ہے کہ عرفی کا یہ شعر ناصر علی کو بہت پسند تھا ؎

من ازین درد گران بار چہ لذت یابم   کہ بہ اندازۂ آن صبر و ثباتم دادند

یعنی اس غم سے مجھکو کیا لذت مل سکتی ہے جبکہ اسکی برابر مجھکو صبر و استقلال بھی عنایت ہوا ہے

نوٹ مولانا شبلی شعر العجم حصہ سوم مین لکھتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ہے تو ناصر علی کی اُس بد مذاقی کا کفارہ ہوگیا جو اُسے نظامی و ظہوری کے موازنہ مین ظاہر کی تھی

عرفی شیرازی

ایک دفعہ عرفی اپنے معاصر شیخ فیضی کے مکان پر گئے۔ فیضی نے ایک کتیا پال رکھی تھی جس نے بچے دیے تھے۔ اور پھر رہے تھے۔ مولانا عرفیؔ نے ہنسی سے پوچھا کہ "این مخدوم زادہ ہا چہ نام کردی۔ فیضی نے جواب دیا کہ "ہمین اسم عرفی"، مولانا عرفی نے فوراً فرمایا "مبارک باشد" (شیخ مبارک فیضی کے والد ماجد کا نام تھا۔ جنکی مبارک حویلی ابتک لاہور مین مشہور ہے)

نوٹ

اکثر یہ لطیفہ اہل علم کی زبانون پر ہے۔ مگر عوام کے کان اس سے ناآشنا ہین۔ مقصد اس تالیف کا یہ ہے کہ کوئی ایسا واقعہ یا لطیفہ جوان ناموراہل کمال سے متعلق ہے جو مختلف کتابون یا تاریخون مین درج ہے۔ سب اِس "حسن خیال" مین جمع کر دیے جائین۔ (مؤلف)

فیضی نے کسی حسین کی زلف کو ہوا سے اُڑتے ہوے دیکھکر یہ مصرع فرمایا

ع اے صبا آن زلف را بر چہرۂ زیبا ش نہ

عرفی بھی موجود تھا فوراً کہا ع انچہ بے رخصت ز جا برداشتی برجاش نہ

جب عرفی کو حاسدون نے زہر دیا تو آخر وقت شیخ ابوالفضل اور فیضی دونون عیادت کے لیے گئے۔ زہر کام کر چکا تھا۔ غریب وستم رسیدہ عرفی دم توڑ رہا تھا۔ یہ وہ نازک وقت تھا کہ وہ اجل رسیدہ کسی کو کیا پہچان سکتا۔ دونون بھائیون نے پکار کر پوچھا کہ "ما را می شناسی ما کیانیم" مولانا عرفی نے آنکھ کھولی اور اُس وقت بھی وہ دندان شکن جواب دیا کہ سننے والے پھڑک اُٹھے۔ فرمایا کہ بابا! مرغ روحم از قفس تن پروازی کند حاجت ماکیان ندارد"

مولانا عرفی نے ۳۶ برس کی عمر مین رحلت فرمائی اور لاہور مین دفن ہوئے۔

بعض تذکرون مین لکھا ہے کہ عرفی نے جب ہندوستان کا رخ کیا۔ راستے مین ڈاکہ پڑا اور اُسکی کل کائنات جاتی رہی۔ اسپر یہ رباعی لکھی۔ ؎

دوشینہ کہ بردوبر دبر دوشم بود ... زانو چو عروس نو در آغوشم بود
پوشیدنی نداشتم غیر از چشم ... چیزے کہ بزیر سر نہم گوشم بود

دوست نے بعد سلام پوچھا۔ "شیخ احوال شریف" اس طریقۂ خطاب سے شیخ اور بھی جل گیا اور جواب دیا کہ "درجہنم" دوست نے ہنس کر کہا "بابا من از عالم حیات می پرسم تو از عالم ممات میگوئی" اس فقرے پر تو شیخ چونک پڑا۔ آواز سے بھی کان آشنا معلوم ہوئے۔ سر اُٹھا کر بغور دیکھا اور پہچان کر لپٹ گیا۔ اور لوازم مہمان داری بجالایا۔ اور پھر برابر اپنے پاس رکھا۔ یہان تک کہ اُسکا انتقال بھی وہین ہوا چنانچہ اُسکی قبر بھی اُسی احاطہ مین ہے جہان شیخ دفن ہے۔

شیخ علی حزین کی قبر محلہ فاطمان واقع بنارس مین ہے۔ لوح مزار پر یہ اشعار کندہ ہین۔

آہستہ برگ گل بفشان بر مزار ما	بس نازک ست شیشۂ دل درکنار ما
روشن شد از وصال تو شبہائے تار ما	صبح قیامت ست چراغ مزار ما

زباندانِ محبت بودہ ام دیگر نمیدانم	ہمیدانم کہ گوش از دوست پیغامے شنید اینجا
حزین از پائے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم	سرِ شوریدہ بر بالینِ آسایش رسید اینجا

تاریخ سال وفات ۱۱۸۰ھ ہجری ہے

اہل دکن و لاہور و دہلی و اودھ نے بہت چاہا اور اصرار کیا کہ شیخ ہمارے یہان سکونت اختیار کرین مگر شیخ نے بنارس ہی مین عمر بسر کر دی اور طبع نازک و عالی کو دوسری جگہ رہنا پسند نہ آیا اور اصرار کرنے والون کو یہ شعر لکھکر بھیجا کیے

از بنارس نروم معبدِ عام است اینجا	ہر برہمن پسرِ لچھمن و رام است این جا

عوام نے جو شیخ کی بد دماغی سے جلے ہوئے تھے۔ شعر مذکور کو استنجا والا شعر کہنا شروع کیا مگر باین ہمہ اس قدر مشہور رہوا کہ آج تک زبانون پر ہے۔ کہتے ہین کہ شیخ نے بھی سن پایا تو فرمایا کہ "کلوخ استنجا دانند و بر زبان و دہان رانند"۔ بعض نے یہ مشہور کیا کہ شیخ مذہب ہنود کی طرف مائل ہے اس لیے یہ شعر کہا ہے

شیخ ناسخ کو شیخ علی حزین کے کمال و کلام سے بے حد عقیدت تھی۔ چنانچہ ایک غزل کے مقطع مین کہتے ہین

جو کانپور سے ناسخ چلو بنارس کو	مزارِ پاکِ جنابِ علی حزین دیکھو

شیخ نے تیسرا شعر پڑھا ؎

مشکل شدست کار دل از عشق و خوشدلم　　　شاید رسد بخاطر مشکل پسند تو

تھوڑی ہی دیر مین پوری غزل کہکر سنادی۔ شیخ کے والد نے فرمایا کہ اچھا آج سے تمکو شعر کہنے کی اجازت دی گئی۔ لیکن زیادہ وقت رائگان نہ کرنا۔ اور اپنا قلمدان خاص عطا فرمایا۔

ایک صحبت مین اسی طرح ایک صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

بران صید مسکین چہ بیداد رفت　　　کہ در دام از یاد صیاد رفت

شیخ کے والد نے فرمایا کہ شعر اچھا ہے مگر بندش دبحر کی وجہ سے درد پیدا نہین ہوا پھر شیخ سے کہا کہ کیونکر درد پیدا ہو سکتا ہے۔ شیخ نے فی البدیہہ یہ مطلع پڑھا۔ ؎

اے وائے بر اسیرے کز یاد رفتہ باشد　　　در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

سب پر ایک حالت طاری ہوگئی۔ اور بار بار تعریف کرتے تھے۔ شیخ نے دوسرا شعر پڑھا ؎

آواز تیشہ امشب از بیستون نیامد　　　شاید بخواب شیرین فرہاد رفتہ باشد

ابھی اس دوسرے شعر کی تعریف ختم نہ ہونے پائی تھی کہ شیخ نے تیسرا شعر پڑھا جسپر شور تحسین بلند ہوگیا۔ اور آج تک زبان زد ہے ؎

شادم کہ از رقیبان دامن فشان گذشتی　　　گو مشت خاک ماہم بر باد رفتہ باشد

سبحان اللہ اس شعر کی تعریف مین زبان وقلم دونون قاصر ہین۔

ایک دفعہ کسی صحبت مین ایک باکمال خوش آواز زمزمہ پرداز نے شب کے وقت ساز و آہنگ کے ساتھ یہ شعر گایا ؎

امشب بیا تا در چمن سازیم پر پیمانہ را　　　تو شمع وگل را داغ کن ما بلبل و پروانہ را

شیخ پر وجد وحال کی کیفیت طاری ہوگئی وہ صبح تک یہی گاتا رہا اور شیخ جھومتے رہے۔

ایک دفعہ شیخ کے ایک یار دیرینہ ایران سے وارد ہندوستان ہوئے اور مختلف شہرون مین گھومتے پھرتے بنارس بھی پہونچے اور شیخ سے ملنے آئے اور بے تکلف بلا اطلاع اپنے تعلقات قدیم کے بھروسے پر صحن خانہ مین جا پہونچے۔ شیخ بیٹھے ہوے پھولون کی کیاریون مین کچھ کاٹ چھانٹ کر رہے تھے۔ تو وارد دوست بے تکلف سر پر جا کھڑے ہوئے۔ شیخ نے مطلق نہ پہچانا

حضرت زاہد بھی مبارکباد دینے گئے - مرزا صاحب نے فرمایا کہ بھئی خواجہ حافظ کی فال ہو بہو پوری ہوئی - اس کا عوض کیا کرون - انھون نے کہا کہ بہت سی مٹھائی اور لذیذ کھانے پکوا کر فاتحہ دیکر اُنکی روح پر فتوح کو ثواب ہدیہ بھیجیے - چنانچہ ایسا ہی کیا گیا -

خان بہادر نواب غلام حسین قمر - ال - ام - سی - تعلقدار گنیش پور ضلع بستی نے جب گلاب طوائف گورکھپور سے عقد کر لیا - اور اُس کے ورثا نے عدالت مین بھگالیجانے کا دعوےٰ کیا جس نے بہت طول کھینچا - حکام ضلع گورکھپور تک نواب صاحب کے مخالف تھے بچی وصل بلگرامی نے دیوان حافظ مین فال دیکھی تو یہ شعر نکلا **شعر**

در کار گلاب و گل حکم ازلی این بود　　　　کان شاہد بازاری وین پردہ نشین باشد

چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ مقدمہ خارج ہوا اور نواب صاحب کا عقد ثابت ہوا - اور اب گلاب پردہ نشین ہین -

شیخ علی حزین

ایک دن ایران مین جبکہ شیخ صغیر السن تھے - انکے والد علامہ کے پاس کاملین کا مجمع تھا ملا محتشم کاشی کا یہ مطلع کسی نے پڑھا -

اے قامت بلند قدان در کمند تو　　　　رعنائی آفریدہ قد بلند تو

شیخ کے والد نے فرمایا کہ مصرعۂ ثانی تو چست ہے - گر مصرعۂ اولےٰ مین لفظ قامت بے ضرورت و زائد ہے - سب نے تائید کی - پھر شیخ حزین سے فرمایا کہ ہم جانتے ہین کہ باوجود ممانعت تم شاعری سے باز نہین آئے ہو اگر کہہ سکتے ہو تو اس زمین مین کچھ کہو - تھوڑی دیر مین شیخ کی طرف دیکھکر معلوم کر لیا کہ کچھ کہنا چاہتا ہے - فرمایا کہ کچھ کہا ہو تو بے تکلف پڑھو - شرم نہ کرو - شیخ نے فوراً یہ مطلع پڑھا -

صید از حرم کشد خم جعد بلند تو　　　　فریاد از تطاول مشکین کمند تو

سب اُچھل پڑے اور بیحد تعریف کی - اسکے بعد شیخ نے دوسرا شعر پڑھا -

شد رشک طور زاہد نت کوے عاشقان　　　　بنشین کہ با دخردہ جانہا سپند تو

اس شعر پر تو شیخ کے والد بھی پھڑک اُٹھے - اور تحسین کی اور فرمایا کہ جو بات ہم چاہتے تھے اس شعر مین ہے

نکالی اور یہ شعر بھی کہے۔

دلا دیدی کہ آن فرزانہ فرزند — چہ دید اندر خم این طاق نیلین
بجاے لوح سیمین در کنارش — فلک بر سر نہادش لوح سنگین

نادر شاہ نے عراق فارس پر مسلط ہونے کے بعد جب عراق عرب و تبریز و بغداد پر حملہ کرنے کا قصد کیا تو پس و پیش مین کوئی راے حتمی قائم نہ ہوتی تھی۔ بعض مصاحبین و وزراء کے اصرار سے دیوان خواجہ حافظ مین فال دیکھی گئی۔ جسکے بعد حملہ کیا اور مظفر و منصور رہا۔ شعر یہ نکلا تھا۔

عراق فارس گرفتی بہ شعر خود حافظ — بیا کہ نوبت بغداد وقت تبریز است

حاجی قوام الدین نے جو وزیر اور عمائد و اکابر سلطنت ایران سے تھے باغ شیراز مین ایک جلسۂ دعوت منعقد کیا۔ خواجہ حافظ بھی شریک جلسہ تھے۔ شام کا سہانا وقت تھا نیلگون آسمان پر ہلال چمکا۔ اور عکس جام شراب مین پڑا خواجہ نے فی البدیہہ یہ شعر فرمایا۔

دریائے اخضر فلک و کشتی ہلال — ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

مرزا سعادت بیگ مرحوم امین عدالت دیوانی سہارن پور کا اکلوتا نوجوان فرزند کسی بات پر ناراض ہو کر مفقود الخبر ہو گیا۔ کئی برس تک کچھ پتا نہ چلا۔ بوڑھا باپ اس یوسف ثانی کی جدائی مین رات دن حضرت یعقوب کی طرح روتا تھا۔ نجومیوں رمالون سے دریافت کرتا رہتا تھا۔ ایک دن حضرت زاہد سہارن پوری اُن سے ملنے کے لیے گئے وہ ایک رمال سے پوچھ گچھ کر رہے تھے وہ ایران توران کر رہا تھا اُسکے جانے کے بعد انھون نے کہا کہ مرزا صاحب کبھی دیوان حافظ مین بھی تو فال دیکھیے۔ وہ فوراً دیوان اُٹھا لائے۔ اور ان کے طریقہ تفاول بتلانے کے مطابق بسم اللہ کہکر دیوان کھولا تو یہ شعر نکلا۔ شعر

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور — کلبۂ احزان شود روزے گلستان غم مخور

شعر کو پڑھتے ہی اچھل پڑے اور گریۂ شادی سے بے چین ہو گئے۔ بار بار دیوان کو بوسہ دیتے تھے اور گلے لگاتے تھے۔ اتفاق دیکھیے کہ اسی ہفتے مین حاجی سید احسان علی صاحب وکیل سرکار سہارن پور کا خط کربلائے معلے سے آیا کہ ہم یہان سے فلان تاریخ کو روانہ ہونگے اور فلان تاریخ تک سہارن پور پہونچین گے۔ مرزا سعادت بیگ کا بیٹا یہان ملا اُس کو بمشکل رضا مند کیا جو ہمارے ساتھ آرہا ہے۔ چنانچہ دو ہفتے بعد گم گشتہ بیٹا باپ سے آملا۔ اور کلبۂ احزان برسون کے بعد گلستان بن گیا۔

اے دل غلام شاہِ جہان باش شاہ باش — پیوستہ در حمایت لطفِ الٰہ باش
از خارجی ہزار بہ یک جو نمی خرند — گو کوہ تا بہ کوہ منافق سیاہ باش
چون احمدم شفیع بود روز رستخیز — گو این تن بلاکش من پر گناہ باش
آن را کہ دوستی علی نیست کافر است — گو زاہد زمانہ و گو شیخ راہ باش
امروز زندہ ام بہ ولائے تو یا علیؑ — فردا بروح پاک امامان گواہ باش

اب تو کوئی سوءظن نہ رہا اور بادشاہ اپنے قصد سے باز رہا۔

کسی نے خواجۂ حافظ سے ایک عابد (خواجۂ عماد کرمانی) کی حد سے زیادہ تعریف کرکے کہا کہ ان کی بلّی تک نماز پڑھتی ہے اور آپ نہین پڑھتے (چونکہ قصۂ کبک و گربۂ عابد مشہور تھا) کہ ایک عابد کی بلی سر جھکا کرا پنے ہاتھ پانو چاٹ رہی تھی۔ ایک کبک اُدھر سے گذرا تو سمجھا کہ یہ بھی عابد کی طرح رکوع و سجود بجا لا رہی ہے اور پرہیزگار بن گئی ہے۔ اس لیے بے خوف خرامان خرامان چلنے لگا۔ یکایک بلّی نے آدبوچا اور لقمہ کر گئی) اس پر لطف حکایت مذکور کی طرف اشارہ فرما کر فرماتے ہین۔

اے کبک خوشخرام کہ خوش میروی بناز — غرہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد
حافظ مکن ملامتِ رندان کہ در ازل — مارا خدا ز زہد و ریا بے نیاز کرد

بقول خوافی خان مورخ۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات اور دفن کے بعد دیوان حافظ مین فال دیکھی گئی تو یہ شعر نکلا ۔

بر سرِ تربت ما چون گذری ہمت خواہ — کہ زیارت گہ رندانِ جہان خواہد بود

بیان کیا جاتا ہے کہ شاہجہان اپنے باپ جہانگیر کی وفات کے بعد سخت مشوش و متفکر تھا کہ آیا مین دکن سے روانہ ہوکر اور آگرے پہونچکر شہریار کو تخت سے اتارون یا نہین اسی تشویش مین اس نے دیوان حافظ مین فال دیکھی اور مطمئن ہوگیا۔ جو اشعار نکلے وہ یہ تھے ۔

چرا نہ در پئے عزم دیارِ خود باشم — چرا نہ خاک کفِ پائے یارِ خود باشم
غم غریبی و غربت چو بر نمی تابم — بشہر خود روم و شہریار خود باشم

بعض کہتے ہین کہ ہندوستان سے بھاگنے کے بعد ایران مین ہمایون نے بھی فال دیکھی تھی اور یہی اشعار نکلے تھے۔

ستّہ ہجری مین خوجہ حافظ کا نوجوان فرزند مرگیا تو آپ نے "میوۂ بہشتی" سے تاریخ وفات

خواجہ حافظ شیرازی

خواجہ حافظ نے جب یہ شعر کہا ؎

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد　　وائے گر از پس امروز بود فردائے

تو مخالفین نے اس حجت سے کہ قائلِ شعر قیامت کا قائل نہین شاہ شجاع کو تعزیر پہ آمادہ کیا۔ خواجہ کو بھی یہ خبر پہونچی تو بیحد پریشان ہوے اور مولانا زین الدین شیخ العارفین سے جاکر واقعہ بیان کیا اور طالب امداد ہوئے

اُنھون نے زرا سے تامل کے بعد فرمایا کہ شعر مذکور سے پہلے ایک شعر اور اس مضمون کا کہدو کہ ایک ملحد یا کافر حافظ کی نسبت یہ کہہ رہا تھا۔ یہ سن کر خواجہ حافظ مطمئن ہو گئے۔ اور جب حاکم وقت کے سامنے لائے گئے اور پوچھا گیا کہ یہ شعر تمھارا ہی ہے ؎

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد　　وائے گر از پس امروز بود فردائے

جسمین روز قیامت کی بابت شک کیا گیا ہے تو خواجہ نے جواب دیا کہ مضمون ناقص و ناتمام ہے جو پہلے شعر کے ملانے سے پیدا ہوتا ہے اور فوراً یہ دو شعر پڑھے۔ ؎

این حدیثم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت　　بادرِ میکدۂ با دف و نے ترسائے

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد　　وائے گر از پسِ امروز بود فردائے

اشعار مذکور سن کر حاکم کا غصہ فرو ہوا اور جماعت مخالفین پشیمان ہوئی۔ اور خواجہ دربار شاہی سے عزت کے ساتھ رخصت کیے گئے تو جاکر شیخ العارفین کا شکریہ ادا کیا۔

شاہ اسمٰعیل صفوی شاہ ایران نے جب مخالفین اسلام و دشمنان آل رسول سے ملک کو پاک کیا اُن کی قبرون کے نشان تک مٹا دیے کسی نے یہ کہکر کہ خواجہ حافظ بھی انھین مین سے تھا۔ قبر خواجہ کے مٹانے پر بھی شاہ کو آمادہ کیا جس پر سخت مخالفت کی گئی۔ بالآخر یہ طے کیا گیا کہ بطور تفاول خود کلام حافظ سے نتیجہ نکالنا چاہیے چنانچہ دیوان منگا کر کھولا گیا تو یہ شعر نکلا ؎

حافظ ز جان غلامِ رسول است و آلِ او　　حقا برین گواہ ست خداوند اکبرم

مگر شاہ مذکور مطمئن نہ ہوا اور دیوان خود لیکر کھولا تو یہ غزل نکلی۔

بہت پریشان ہوئے۔ لیکن مجبور تھے۔ اتفاق سے ایک قدیم دوست کا اُدھر گذر ہوا۔ پوچھا خیر ہے۔؟ فرمایا۔

ہمی گریختم از مردمان بہ کوہ و دشت — کہ از خدا ے نہ دیدم بدیگرے پرداخت
قیاس کن کہ چہ حالت بود درین ساعت — کہ با طویلہ نامردم بباید ساخت

یعنی جو شخص آدمیون سے بھاگتا پھرتا تھا وہ جانورون مین پھنس جائے تو اُسکی کیا حالت ہوگی دوست کو رحم آیا۔ فدیہ دیکر چھڑایا۔ اور اپنے ساتھ حلب مین لایا۔ مزید عنایت یہ کی کہ سو اشرفی مہر پر اپنی بیٹی کے ساتھ شادی کردی۔ (شعرالعجم جلد دوم صفحہ ۲۷)

شیخ ایک دفعہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے۔ قاضی کے دربار مین گئے۔ اور صف اول مین جا کر بیٹھے۔ قاضی صاحب نے تیز نگاہون سے دیکھا۔ اور میر دربار نے جو لوگون کو حسب مدارج بٹھانے پر مامور تھا۔ ان کے پاس آکر کہا ؎

ندانی کہ برتر مقام تو نیست — فروتر نشین، یا برو، یا بایست

بیچارے وہان سے اُٹھکر صف پائین مین بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد حسب معمول کسی فقہی مسئلے پر بحث چھڑی اور ہر طرف سے شور وغل کی آوازین بلند ہوئین۔ لیکن کوئی شخص کوئی فیصلہ کن بات نہین کہتا تھا کہ سب اُسکے سامنے سر جھکا دین۔ شیخ کو اظہار کمال کا موقع ملا۔ صف پائین سے للکار کر کہا۔

کہ برہان قوی باید و معنوی — نہ رگہائے گردن بہ حجت قوی

لوگون نے انکی طرف توجہ کی۔ انھون نے اس خوبی سے اس مسئلہ کو سلجھا کر ادا کیا کہ سب مان گئے یہان تک کہ خود قاضی صاحب صدر مجلس سے اُٹھے اور اپنی پگڑی اُتار کر انکے سر پر رکھدی۔ (شعرالعجم جلد دوم صفحہ ۲۸)

بچپن مین شیخ کے والد نے شیخ کو ایک انگوٹھی خرید کردی۔ کسی عیار نے مٹھائی کا لالچ دیا۔ اُنکو انگوٹھی کی کیا قدر تھی۔ مٹھائی لیکر انگوٹھی دیدی۔ یہ واقعے عموماً پیش آتے رہتے ہین۔ شیخ اس سے کس قدر عظیم الشان نتیجہ پیدا کرتا ہے ؎

بدر کرد ناگہ یکے مشتری — بہ شیرینی از دستم انگشتری
چو نشناسد انگشتری طفل خورد — بہ شیرینی از وے تواند برد
تو ہم قیمت عمر نشناختی — کہ در عیش شیرین برانداختی

(شعرالعجم جلد دوم صفحہ ۲۹)

نوٹ اکثر دو لطائف اوردہ واقعات شیخ کے متعلق جو حضرت مولانا شبلی نعمانی نے مرحمت فرمائے ہیں شعرالعجم جلد دوم مین درج ہین۔ (مؤلف)

(بعض اس حکایت کو ملا جامی سے منسوب کرتے ہیں)

حضرت شیخ کسی شاہزادی کے حسن دلاویز کے نادیدہ مشتاق ہوئے۔ لیکن دیدار کا موقع نہ ملتا تھا ایک مرتبہ سنا کہ وہ کسی باغ میں مصروف گلگشت ہے۔ پہرے چوکی کے خوف سے دروازہ باغ سے تو رسائی نہ ہو سکی۔ چار طرف پھر کر موقع نکالا اور دیوار باغ کے ایک تابدان سے سر نکالا۔ شہزادی کی نگاہ فوراً پڑ گئی۔ فوراً یہ مصرع موزون کیا ع زمین ترقید پیدا شد سرِ خر +

شیخ نے فوراً جواب دیا ع شنید آواز مادہ آمدہ نر +

حضرت شیخ کسی شاہزادے کے جمال جہان آرا پر فریفتہ ہوئے۔ جب کسی طریقے سے رسائی نہ ہوئی تو سائیسوں میں جا کر ملازمت کر لی۔ ایک دن شاہزادہ مع مصاحبین سوار ہو کر سیر کو جا رہا تھا شیخ بھی ہمراہ تھے۔ شاہزادے نے راہ میں ایک مصرع موزون کیا۔ ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ + مصاحبین سے مصرعۂ ثانی کی فرمایش کی۔ سب نے مصرعے لگائے مگر پسند نہ آئے۔ شیخ نے آگے بڑھ کر دست بستہ کہا کہ اگر اجازت ہو تو جان نثار مصرع لگائے۔ حکم دیا کہہ سکتے ہو تو کہو۔ شیخ نے فوراً کہا ع ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ +

شاہزادہ بہت خوش ہوا۔ ایک سن رسیدہ خواجہ سرا نے عرض کیا کہ جہان پناہ یہ شیخ سعدی شیرازی ہیں۔ یہ سن کر شاہزادے نے بہت عزت و احترام کیا اور مدارات سے پیش آیا۔

علامہ قطب الدین شیرازی اور شیخ سعدی معاصر اور دونوں حسن پرست تھے۔ ایک اتابک نے جو خوش جمال اور زیبا منظر تھا۔ مسجد بنوانی شروع کی۔ اور بہ نظر ثواب مزید خود بھی تعمیر مسجد میں کچھ کام کرتا تھا جس کے اتباع میں اور اکثر لوگ بے اجرت کام کر جاتے تھے۔ منجملہ ان کے ملا موصوف اور شیخ مذکور بھی شریک تھے۔ ایک دن راج اینٹیں گھڑ رہا تھا۔ ایک ریزہ اچٹ کر نازنین اتابک کے رخسار پر جا لگا۔ ملا صاحب نے فرمایا "یَا لَیْتَنِی کُنْتُ تُرَاب" اتابک تو کچھ نہ سمجھا اور شیخ سے دریافت کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ ملا نے ایک آیت پڑھی ہے یَقُوْلُ الْکَافِرُ یالیتنی کنتُ تراب۔ ملا صاحب بہت خجل ہوئے۔ (عطیۂ حضرت زاہد)

شیخ سعدی نے ایک دفعہ لوگوں کی صحبت سے تنگ آ کر بیت المقدس کے صحراہیں بادیہ نوردی شروع کی۔ اتفاق سے عیسائیوں نے گرفتار کر لیا۔ اور طرابلس (ٹریپولی) میں خندق کھودنے کے کام پر لگا دیا۔

چندان بزنندش اے خداوند کز خانہ رہش بہ در نہ باشد
اے صاحب من بداد اور رس لطفے بہ ازین دگر نہ باشد

بادشاہ نے یہ قطعہ ملاحظہ فرماکر فوراً حکم دیا کہ جس نے قیمت نہ دی ہو اُس سے قیمت نہ لی جائے اور جس نے قیمت دیدی ہو اُسے واپس کرادین اور قیمت خرمابرادر شیخ کو دیدین۔ اور خود خدمت شیخ مین آکر عذر خواہی کی اور ہزار درم پیش کیے کہ اپنے بھائی کو دیدیجیے جو کہ اُس زیادتی کا معاوضہ ہے

کہتے ہین کہ ایک دن کسی زیبا جمال مست ناز کو خواب مین پاکر بانوچپی کرنے لگے۔ اُسکی آنکھ کچھ دیر بعد کھلی تو ایک ادائے ناز سے کہا کہ "شیخ عجب بیشتر ہوس نہ کردی" فرمایا۔ "جانم! عشقِ سعدی تا بہ زانو۔"

شیخ ایک مرتبہ سمرقند مین ایک دوست سے ملے۔ وہ پہلے تو روکھی سوکھی اور خالی پھیکی تواضع کرتا رہا آخر ایک دن بڑی دھوم سے دعوت کی۔ فراغ طعام کے بعد شیخ نے فرمایا کہ "دعوت شیراز خوب است" اُس کو تعجب ہوا اور دل مین کہا کہ شاید شیخ کو کھانا پسند نہ آیا۔ اگلے دن اُس سے بڑھ چڑھکر سامانِ دعوت کیا۔ بعد طعام شیخ نے پھر وہی فرمایا کہ "دعوت شیراز خوب است" اب تو میزبان کے تعجب کی حد نہ رہی۔ اور اب کے اپنی حیثیت سے کہین زیادہ طرح طرح کے لذیذ اور بیش بہا کھانے تیار کرائے مگر شیخ نے خاتمے پر پھر وہی فرمایا کہ "دعوت شیراز خوب است" اب تو میزبان عاجز آگیا اور بلطایف الحیل شیخ کو ٹالا۔ کچھ دنون کے بعد وہ دوست شیراز آیا اور شیخ کا مہمان ہوا۔ شیخ نے اپنا روزمرہ کا بالکل سادہ کھانا لاکر سامنے رکھدیا۔ اسی طرح کئی روز تک برابر وہی سادہ کھانا آتا رہا۔ آخر مہمان سے ضبط نہ ہوسکا اور پوچھا کہ "شیخ آن دعوتِ شیراز کدام است" شیخ نے فرمایا۔ "بابا! دعوت شیراز ہمین است کہ اگر مدت العمر مہمان باشی گران نہ باشی" اُس وقت سے دعوت شیراز اور سمرقندی تواضع زبان زد چلی آتی ہے۔

شیخ کو ایک بار کسی دوست نے ایک قسم کے انگور کھلائے۔ جس کا نام ریش بابا مشہور تھا۔ وہ شیخ کو انگور دیتا جاتا تھا۔ اور یہی فقرہ کہتا تھا "شیخ ریش بابا بگیر" شیخ چپ تھے۔ اتفاقاً اُس دوست کا گذر شیخ کے یہان بھی ہوا۔ اُنھون نے وہ انگور پیش کیے جن کو خایۂ غلامان کہتے تھے دوست نے کھاکر کہا کہ بہ بہ خیلے خوب است۔ شیخ نے جواب دیا کہ بلے خایۂ غلامان از ریشِ بابا شما خوب تر است

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ سعدی شیرازی

شیخ کے اُن واقعات وحکایات کا ماحصل وترجمہ جو گلستان و بوستان مین درج ہین کچھ بے ضرورت لکھا گیا۔ فیضی نے سعدی کی طرح توقع صلہ مین جو شعر کہکر آسمان کی طرف دیکھا تھا وہ بعض نے یہ لکھا ہے۔ ؎

ہر گیاہے کہ از زمین روید　　وحدہٗ لاشریک لہ گوید

اور بعض نے یہ شعر لکھا ہے ؎

ہر ہر بن مو کہ می نہد گوش　　فوارۂ فیض اوست در جوشش

جو "بزم خیال" مین مع ایک دلچسپ حکایت کے درج ہو چکا ہے۔ دونون شعر حمد مین ہین مگر سعدی کے اس شعر کے جواب مین ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار　　ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

جو شعر فیضی نے کہا وہ یہی ہے ؎ ہر گیاہے کہ از زمین روید: الخ

ملک شمس الدین کے سپہ سالاران شیراز۔ شاہی خرما نہایت گران قیمت پر جبراً اہل بازار کو دیتے تھے۔ چنانچہ شیخ سعدی کے بھائی کو بھی جنکی دکان بقالی قصر شاہی کے دروازے پر تھی اسی طرح دیئے گئے۔ اور پھر محصل نے محصول وقیمت زائد مار پیٹ کر وصول کیا۔ سعدی نے یہ قطعہ لکھ کر بادشاہ کے حضور مین پیش کیا۔ ؎

احوال برادرم بہ تحقیق　　دانم کہ ترا خبر نہ باشد
از غایت فقر دایم اورا　　شلوار بہ پائے در نہ باشد
خرمائے بطرح میدہندش　　بختِ بد ازین بتر نہ باشد
اطفال برندو مرد درویش　　خرما بخورند و زر نہ باشد
آنگہ تو محصلے فرستی　　ترکے کہ از و گذر نہ باشد

اپنے محترم بزرگ عالی جناب سید زاہد حسین صاحب زاہد سہارنپوری کا دلی شکریہ ادا کرتے ہین کہ جنکی ذات پاک "حسن خیال" کی تالیف کا باعث ہوئی۔ مین ان کے لیے الفاظ صحیح اعتراف کے لیے نہین پاتا۔ جوان کے ادبی ذوق سے متعلق ہے اور جس کے اثر سے اُنھون نے اپنی یادداشتون اور ریاضتون سے محنت کر کے ایک بڑا حصہ ایسے واقعات کا مرتب فرما کر اور اپنے قلم سے لکھکر خاکسار مولف کو مرحمت فرمایا۔ کمال اندازان واقعات و لطایف کی تصریح مین ہے جو آپ پڑھین گے۔ اُس دور اور اس موقع کی چلتی پھرتی تصویرین ہین جنھین مدت ہوئی چرخ گردان درہم و برہم کر چکا ہے۔

ان کے علاوہ وہ بزرگ اور احباب بھی لایق شکر گزاری ہین کہ جن کو جو یاد تھا اُسے مجھے مرحمت فرمایا۔ وہ یہ ہین۔ لسان الملک حضرت ریاض۔ مولانا نور العینین سکندرپوری۔ سید محمد کاظم صاحب لکھنوی۔ جناب ابو الکمال امید امیٹھوی۔ بابو مہادیو پرشاد انجم۔ بی۔اے خیرآبادی۔ مولوی عبد الباری صاحب آسی۔ حضرت ضبط ملیح آبادی۔

آخر مین۔ مَین دست بدعا ہون کہ میرا یہ ناچیز انتخاب اہل نظر کا نور نظر بنے اور حسن خیال کی مقبولیت کا سہرا "بزم خیال" کی طرح خاکسار مؤلف کے سر رہے۔

خادم

صفدر مرزاپوری

این نثر را گوش کن) سودا جھٹ نواب کی آڑ مین ہو گئے نواب نے ولایتی کو رو کا تب جان بھی جسے اللہ نے ذرا بھی عقل سلیم دی ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ شعر نواب کی ہجو مین کہا گیا یا ولایتی کی ہجو مین سودا نے کہا۔ سودا کے دماغ مین خلل تو نہ تھا کہ ایک والیِ ملک کی شان مین ایسی بے ادبی کرتے

اس حسن خیال مین جتنے لطایف ادبی اور قصہ طلب اشعار لکھے گئے ہین۔ نہایت تحقیق کے ساتھ درج کیے گئے ہین۔ اور اگر کسی واقعہ مین کوئی غلطی یا سہو ہو گیا ہو گا۔ اُس کی تحقیق پر انشاء اللہ آئندہ اڈیشن مین اُس کی درستی کی جائے گی۔ چونکہ مجھے اپنی ہیچ مدانی اور ناقابلیت کا خود اعتراف ہے۔ اس لیے "حسن خیال" کی ترتیب دینے کے بعد۔ مین نے ایک ایسے ادیبون کے مجمع مین اس کتاب کو صرف اسی غرض سے پیش کیا کہ جن کی معلومات جن کی علمی قابلیت مسلم و مستند ہے۔

اس مجمع مین حکیم الشعرا حضرت ناطق لکھنوی۔ مرزا مظفر اللہ بیگ صابر لکھنوی۔ نبیرہ مرزا رجب علی بیگ سرور۔ سید عبدالباقی ضبط ملیح آبادی۔ و منشی وصی الحسن وصی انسپکٹر پولیس تشریف فرما تھے

اس چار یاری مجمع مین۔ مین "حسن خیال" کو پڑھتا جاتا تھا اور یہ حضرات سنتے جاتے تھے جہان کہین کسی لطیفہ یا کسی فقرے کی بابت کوئی صاحب اعتراض فرماتے تھے۔ حکیم الشعرا ناطق یا اُسے درست فرما دیتے تھے یا قلم زد کر دیتے تھے۔ اکثر لطایف ادبی جو ان حضرات کو پسند نہ آئے "حسن خیال" سے نکال دیے گئے۔

ہم اپنے ان ادب نواز دوستون کا دلی شکریہ ادا کرتے ہین کہ جنھون نے اپنا قیمتی و عزیز وقت اس کام مین صرف فرما کر اردو ادب پر احسان کیا۔ پھر بھی سہو و خطا خاصۂ بشری ہے۔ اگر کوئی خلل رہ گئی ہو تو ارباب کرم اُسے اپنے دامن لطف مین چھپائین اور معاف فرمائین۔ خاکسار نے تو ہندی کی اس مثل کے مطابق

چار جنے مل کیجیے کاج ہارے جیتے نہ آوے لاج

اپنا فرض ادا کر دیا۔

تشکّر و اِمتنان کا جذبہ

ہم اپنے اُن بزرگون و دوستون کے بھی ممنون ہین جنھون نے ہمارے اس ادبی کام مین ہماری اعانت فرمائی۔ اُن کا نام نامی اس کتاب مین نہ لکھنا انتہائی ناشکری ہو گی۔ سب سے پہلے ہم

ایک لطیفہ پڑھ کے خواہ مخواہ جی چاہیگا کہ آؤ ایک اور دیکھ لین۔ یہ سلسلہ کتاب ختم کیے بغیر کوشش کرنے پر بھی ختم نہ ہوگا۔ اسمین جسقدر "حسن خیال" کی خوبی و لطافت کو دخل ہے۔ اُسی قدر آپ اپنی خوش مذاقی اور نکتہ نوازی کی بھی شرط لازمی سمجھیے۔

سنہ ۱۹۲۶ء مین اسی موضوع پر خاکسار نے "بزم خیال" کو جب پبلک مین پیش کیا تھا تو اُس کے حسن قبول کا وہ اثر ہوا کہ پانچ اڈیشن اُس کے شایع ہوے۔ اور پھر بھی تشنہ کامان ادب سیراب نہ ہو سکے وہ نقش اول تھا اور یہ نقش ثانی ہے۔ اور یہ مشہور مصرع ہے

ع نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

"حسن خیال" کہنے کو تو اُن اشعار کا مجموعہ ہے جن سے کسی لطیف قصہ اور دلکش لطیفہ کو تعلق ہے۔ مگر اُن لطایف و اشعار کے یکجا کرنے مین جو تلاش اور کوشش کی گئی ہے۔ اُس کا صحیح اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہین جو اپنی تصنیف و تالیف سے تشنہ کامانِ ادب کی پیاس بجھاتے رہتے ہین ان بکھرے ہوئے جواہرات کا یکجا کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ نہین معلوم کتنے تذکرون اور رسالون کی ورق گردانی کرنا پڑی۔ اس کے علاوہ اُن ادب نواز احباب سے وہ واقعات اور لطایف جو سینہ بسینہ چلے آئے ہین حاصل کرنا کوئی ہنسی کھیل نہ تھا جو دنیائے ادب سے ہاتھ اُٹھا کر گوشہ گیر ہو چکے ہین۔ نیز ایسے لطایف ادبی جو دوسرے تذکرون مین بلا تحقیق صرف سُن کر شایع کر دیے گئے ہین۔ اُن کو بعد تحقیق "حسنِ خیال" مین درج کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مرزا سودا کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔ ؎

یارو یہ ابن ملجم پیدا ہوا دوبارا بھیلون کے بن مین جسنے شیرِ خدا کو مارا

صاحب "آب حیات" نے اس ہجو کو نواب آصف الدولہ سے منسوب کیا ہے مگر اصل واقعہ بعد تحقیق یہ معلوم ہوا کہ نواب آصف الدولہ بہادر ایک دفعہ شکار کو گئے۔ ایک ولایتی اور سودا ہمراہ تھے۔ ولایتی کا نام عبدالرحمن تھا اُس نے پیادہ۔ شیر کو تلوار سے مارا۔ آصف الدولہ کو یہ دیکھکر خفت ہوئی۔ اُس کے رفع کرنے کو سودا نے یہ شعر فوراً کہا (چونکہ قاتل شیر خدا حضرت علی کا نام بھی عبدالرحمن تھا) اس لیے ولایتی کو بہت جوش آیا اور تلوار کھینچ کر سودا پر جھپٹا اور فحش دشنام دینے لگا۔ سودا نے کہا "جناب آغا این مقالات شایان شما نیست" ولایتی نے جواب دیا "آنچہ تو گفتی نظم بود نظم از ما نمی آید حالا

ہم اپنے محترم دوست شاہ نذیر ہاشمی کا کس زبان و قلم سے شکریہ ادا کرین۔ آپ ادبی دنیا مین محتاج تعارف نہین۔ آپ کے زور قلم کا لوہا بڑے بڑے ادیب مانے ہوئے ہین اور آپ کا یہ "مقدمہ" جو "اعتراف کے صرف دو بول" کی سرخی سے لکھا گیا ہے۔ آپ کی قابلیت وانشاپردازی کی عینی شہادت ہے۔ (مؤلف)

تمہید

انتخاب مایۂ ہستی نگاہِ ناز کرد
جز رگ جان چیز دیگر را نظر انداز کرد

فیاض قدرت نے ہر فرد بشر کو بقدر ظرف قوت فکری عطا کی ہے فکر کا نتیجہ کبھی غم کی شکل مین ظاہر ہوتا ہے کبھی مسرت کی صورت مین۔ روح کا صرفہ دونون مین ہے مگر بحالت مسرت بدل مایتحلل کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے بشرطیکہ مسرت کا اظہار زیادہ شدت مین نہو۔ البتہ غم کی صورت مین جبکہ روحانی حصہ کم ہو جاتا ہے تقاضائے فطرت یہ ہوتا ہے کہ کسیطرح اُس کمی کو پورا کرے۔ اصول یہ ہے کہ روح ہمیشہ اپنے ہمجنس کے اضافے سے قوت اور تکمیل حاصل کرتی ہے۔ ایک حسن پرست حسن انسانی کو دیکھکر روحانی تفریح حاصل کر سکتا ہے قدرتی مناظر کا دلدادہ باغ و بہار اور شفق و آبشار کے نظارے سے روحی فرحت اور نظری انبساط پیدا کر سکتا ہے سطحی متفکرین سنیما۔ تھیٹر۔ اور مختلف تماشون سے اپنی دن بھر کی تھکن اور محلل روح محنت کی خانہ پری کر لیتے ہین۔ مگر ایک فلسفی کی روح کو اُسی وقت بالیدگی ہو سکتی ہے جب کسی ماہیت کے عقدۂ لاینحل کو حل ہوتے ہوئے دیکھے۔ اسی طرح ادبی دنیا کے باشندون اور سیاحون کی فرحت قلبی اور تفریح روحی کا دارومدار اسی پر ہے کہ ادیبون کے نکات ولطائف۔ شعرا کی ظرافت بالبداہتہ۔ طباعی کا سنیما۔ شوخی کا تھیٹر۔ برجستگی کے گلہائے شگفتہ۔ مزاجدانی کے برگہائے نورستہ۔ ذوق لطافت کے آبشار۔ رنگینی سخن کے لالہ زار اُن کے سامنے پیش ہون۔ اس روحانی تفریح کی دعوت اور اس دلچسپ و دلکش ضیافت کا سامان حتی الامکان مین نے اہل ادب و اہل علم کے لیے مہیا کیا ہے۔ انسان اپنے امکان بھر محنت کرتا ہے مگر

ع قبول خاطر و لطف سخن خداداد است

یہ میرے بس کی بات نہین مگر اتنا ضرور عرض کرونگا کہ آپ ذرا "حسن خیال" کو پڑھنا شروع کیجیے

تک پہونچ چکے ہیں۔ یہ اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے "حسن خیال" کے پیارے نام سے حضرت صفدر نے ترتیب دیا ہے۔ اس میں ایشیا کے شاعروں کی عجیب و غریب قدرت کا مرقع ہے جو ان کے جذبات اور مشاہدات فطرت کے ادا کرنے میں حاصل تھی۔ بعض واقعات کسی حکمت اور معرفت کے بیان کرنے سے متعلق ہیں جن میں کمال خیال اور نظم کا دکھایا گیا ہے۔ اور بعض میں زبان اور جودتِ طبع کا نقشہ نظر آتا ہے۔ گویا مشاہیر شعرائے فارسی و اردو کے وہ اشعار اور تبرکات روحانی ہیں جو اُنکے خصوصیات زندگی کے نمایاں کرنے کے لیے اپنے اندر دفتر کا دفتر رکھتے ہیں۔

میرا خیال تھا اور میں اکثر غور کیا کرتا تھا کہ اگر زمانے نے مجھے فرصت دی تو میں ایشیا کے شاعروں کی تصویریں اور ان کا صرف ایک اور ایک ہی بہترین شعر دیوان سے انتخاب کر کے مختصر سے حالات کے ساتھ شائع کروں گا۔

میں اپنی جگہ غور کیا کرتا تھا کہ دنیا میں انسان صرف ایک مرتبہ شاد کام ہوا کرتا ہے۔ صرف ایک کام کرتا ہے اور صرف ایک کتاب یا ایک مسئلہ یا ایک شعر کہنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ جس طرح ققنس ایک مشہور چڑیا ایک ایسا آخری راگ گاتی ہے جس کی شعلہ نوائیوں سے صحرا میں آگ لگ جاتی ہے اور خود بھی اُس میں جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہر شاعر صرف ایک پیغام اور ایک شعر کہنے کے بعد اپنی زندگی کا مقصد پورا کر دیتا ہے۔ مجھکو ایسے ہی شعروں کی تلاش تھی۔ جناب صفدر نے اس کتاب میں ایسے ہی واقعات اور ایسے ہی اشعار ہر شاعر کے متعلق بیان کر دیے ہیں۔ صرف تصویروں کی کمی ہے۔ میں اس لحاظ سے اس کتاب کو بہت دل چسپ سمجھتا ہوں کہ اس میں ایشیا کے مشاہیر شعرا کی خودداری عصبیت اور ہمت کا حال معلوم ہوتا ہے جو ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا۔

ہم اپنے دوست صفدر مرزاپوری کی کوششوں کا اعتراف کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جن بزرگوں کو ایسے حالات فارسی و اردو کے شاعروں کے معلوم ہوں وہ بھی انھیں قلمبند کر کے جناب صفدر مرزاپوری محمود نگر۔ لکھنؤ کے پتے سے بھیج دیں کہ پھر تیسرا حصہ بھی کتاب کا چھپ جائے۔ یہ ایک بڑی ادبی خدمت ہوگی۔

خادم

شاہ نذیر ہاشمی غازی پوری

سائیتھ روڈ الہ آباد

ذہنیات کی دنیامین انقلاب پیدا کیا۔غالب کا وہ زمانہ گذرا ہے جبکہ مغلون کی حکومت کا چراغ گل ہوچکا تھا اور ہرطرف یاس اور صرف یاس کی مختلف صورتین نظر آرہی تھین۔غالب کی شاعری دراصل نوحہ ہے اِن ایام کا اور اکثر غزلون مین ازمطلع تا مقطع ایک قسم کا بَین اور غم وماتم کا مضمون نظم کیا گیا ہے۔خود کہتا ہے ؎

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

اس کے ساتھ ہی غالب نے آنے والے زمانے کی پیشین گوئی بھی کی ہے۔اُسنے انتہائی غم والم ظاہر کرنے کے بعد اپنے کلام نظم ونثر مین ترقی اور عمل کی بجلیان مستور کی ہین۔جن سے آیندہ زمانے مین دلون کی دنیا بدل گئی۔جس وقت وہ کہتا ہے۔" درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہوجانا "اِس سے اس عہد کے لوگ مستقبل کی فال لیتے ہین۔سب سے زیادہ تازہ اور روشن مثال ہمارے سامنے روس کی حکومت کے انقلاب کی ہے۔

روس مین انقلاب سے پہلے شاعر ادیب اور فلسفی پیدا ہوے۔جنھون نے خیالات اور جذبات مین برقی تخم ریزی پیدا کی۔تاآنکہ روس مین آزادی اور مساوات کی تحریک نے ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا۔دراصل اس کاروان کا مقدمۃ الجیش یا بانگ جرس ہوتا ہے جو کچھ زمانے کے بعد آنیوالا ہوتا ہے۔شاعر ماضی۔حال۔مستقبل کا آئینہ ہوتا ہے۔وہ قومون اور ملکون کا نقیب ہوتا ہے اور اُس کی ہستی ایسی گران قدر ہستی ہے جو اُس کی زندگی مین نہین توکم سے کم اُسکے بعد امتداد زمانہ کے ساتھ کبھی نہ کبھی اعتراف کی ممنون ہوتی ہے

ہمارے دوست

جناب صفدر مرزا پوری نے بڑی کوشش وتلاش کے بعد ایشیا کے مشاہیر شعراء فارسی واردو کے وہ حالات اور اشعار جمع کیے ہین جو اپنی ندرت اور رنگینیت کے لحاظ سے دنیاے ادب مین ہمیشہ باقی رہنے والے ہین مگر افسوس کہ کہین ایک جگہ محفوظ اور مرتب صورت نہین تھے۔ان بکھرے ہوے جواہر کا جمع کرنا اور خوبصورتی سے مُنتظم صورت مین پیش کرنا آسان کام نہ تھا۔

جناب صفدر نے اسکو بڑی محنت اور قابلیت سے انجام دیا ہے۔خدا کا شکر ہے کہ پہلا حصہ اسکا "بزم خیال" اس قدر مقبول خاص وعام ہوا کہ جس کے پانچ اڈیشن شایع ہوکر شیدائیان زبان اردو کے ہاتھون

اعتراف کے صرف دو پھول

شاعر دنیا کا ایک معمائے لاینحل ہے۔ یہ شاعری کرتا ہے۔ خیالات و جذبات کی ترجمانی اسکا نصب العین ہے۔ مناظرِ فطرت کی وہ تصویرین اپنے جادو نگار قلم سے کھینچتا ہے کہ دیکھنے والے دیکھکر محوِ حیرت رہجاتے ہین یہ اُن وادیون کی نقاشی کرتا ہے جو انسان کے دنیائے دل مین چھپی ہوتی ہین۔ مگر شاعر خود نہین جانتا کہ مین ایسا کیون کر رہا ہون اور کیون اپنی عزیز زندگی اس طرح راتون کی تنہائیون اور سخت سے سخت ہیجانی کیفیتون مین گذار رہا ہون۔ اسکی دوربین نگاہین بحرِ سخن کے عمق تک پہونچ کر موتی نکال لاتی ہین۔ وہ اسی طرح بنی نوعِ انسان کے یاس و حرمان۔ انقلابِ حالات اور گوناگون کوائف پر آنسو بہاتا ہے جس طرح شبستانِ ہستی مین کوئی شمع بلا کسی ذاتی غرض انسان کی شادی و غم مین رات بھر جلا کرے یہ ایک وہبی مرض اور خداداد خلش ہے۔ اسکو اس سے مطلب نہین کہ ہمکو کھانے کو ملیگا یا نہین۔ وہ تو بس درد پرستی اور رونے رُلانیکے لیے آتا ہے۔ اُسکا تو عقیدہ یہ ہے ؎

کام رکنے کا نہین اے دلِ نادان کوئی — خود بخود غیب سے ہو جائیگا سامان کوئی

یہی وجہ ہے کہ اکثر شعرائے عالم کی زندگیان سخت تکلیف و عسرت مین بسر ہوئین۔ اگر وہ کوئی اور کام دنیا کا کرتے تو شاید آرام سے بسر ہوتی۔ ایک اعتراض یہ بھی شاعر پر کیا جاتا ہے کہ وہ صرف آدمیون کو رُلاتے اور اُن کا دل دکھاتے ہین۔ یعنی اپنے سننے والون کا حوصلہ پست کرتے ہین اور قوتِ عمل کو معطل کرتے ہین کہا جاتا ہے کہ جب قومین پستی کی طرف جاتی ہین اور اُنمین جبن و جمود طاری ہوتا ہے تو وہ اچھے سے اچھے شاعر پیدا کرتی ہین۔ گویا جب کہین کوئی شاعرِ اعظم پیدا ہوتا ہے تو اُس ملک یا قوم کے انحطاط کے زمانے کا ایک ثبوت زندہ ہوتا ہے۔ مثلاً۔ سعدی۔ حافظ۔ ہومر۔ شکسپیر۔ غالب۔ امرؤ القیس۔ اور کالیداس اپنی ملکی اور قومی بربادی کے شاہدِ عادل ہین۔ ان مشاہیر کی ہستیان اس وقت نمودپذیر ہوئین۔ جب کہ قوم و ملک سے عمل اور حیات گلی کے آثار مٹ چکے تھے۔ آج بھی جن قومون اور ملکون مین ایجادات۔ فتوحات اور بر و بحر کی تحقیقات کا جوش ہے وہان شاعر گمنام و بے نشان ہے۔ مگر اس نظریہ مین ایک دوسری حقیقت بھی مضمر ہے وہ یہ کہ شاعر و ادیب۔ مصور اور نقاش کسی آنے والے زمانے کی خبر دیتا ہے۔ اور حال مین فردا کی خوشخبری دیتا ہے۔ انگلستان کی عظمت کا دور اُس وقت شروع ہوا جب سے شکسپیر اور ملٹن نے

تہدیہ

اپنی ناچیز محنت اور کوشش کے مجموعہ کو جو آج "حسن خیال" کے پیارے نام سے شائع ہو کر دنیائے ادب مین ایک نئی سج دھج سے آتا ہے۔ مین اپنے محسن و سرپرست فاضل یگانہ حکیم زمانہ مولانا سید مقصود علی صاحب مولوی فاضل منیجر ریاست عالیجناب خان بہادر نواب غلام حسین قمر۔ ایم۔ ال۔ سی تعلقدار گنیش پور ضلع بستی کے نام نامی سے معنون کرنے کی عزت حاصل کرتا ہون۔ مولانائے موصوف کا تبحر علمی محتاج تعارف نہین۔ آپ یونیورسٹی پنجاب کے مولوی فاضل جامع ازہر مصر کے ادیب مستند اور خاندانی طبیب ہیں۔ حجاز مین مدتون آپکا فیض درس و تدریس اور سلسلہ مطب جاری رہا اور جنکے ادبی خدمات اور اعلےٰ سیرت۔ عالمانہ اقتدار اور حسن اخلاق کا ایک زمانہ معترف ہے۔ لہذا "حسن خیال" کا ایسے معدن ادب اور جوہر قابل کے نام نامی سے معنون کرنا نہایت مناسب و موزون ہے۔

للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری

ہیچمدان صفدر مرزاپوری

PK
2185
S234
1910

Safdar Mirzāpūrī, Safdar 'Alī

اُن کے دامن میں نہیں گلشنِ رضواں میں نہیں!
ہم نے وہ پھول چُنے ہیں جو گلستاں میں نہیں!

حُسنِ خیال

یعنی

شعرائے فارسی و اُردو کے اُن اشعار کا لطیف مجموعہ جن سے کسی دلچسپ قصہ یا لطیفہ کا تعلق ہے

Husn-i Khayāl

جس کو

مشہور سخنور جناب منشی صفدر علی صاحب صفدر مرزا پوری مؤلف مُرقع ادب حصہ اول و دوم و مشاطہ سخن حصہ اول و دوم و بزم خیال وغیرہ وغیرہ نے بڑی کوشش و کاوش سے تالیف فرمایا

جسے باخذِ حقوقِ دائمی

سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل مزنگ لاہور نے چھپوایا

مِلنے کا پتہ: گیلانی الیکٹرک پریس بکڈپو ہسپتال روڈ لاہور

PRICE جملہ حقوق محفوظ ہیں RS. 2 ONLY

[illegible] بکڈپو

40 48 91

PK
2185
S234
1910

Safdar Mirzāpūrī, Safdar
'Alī
Husn-i khayal

PLEASE DO NOT REMOVE
CARDS OR SLIPS FROM THIS POCKET

UNIVERSITY OF TORONTO LIBRARY